
ایوانِ وجود
محمد یوسف وسیر
حسن پبلشر ز، اردو بازار، لاہور

ایوانِ وجود

محمد یوسف وسیر

حسن پبلیشرز، اردو بازار لاہور

نام کتاب:	**ایوانِ وجود**
مصنف:	**محمد یوسف وسیر**
کمپوزنگ:	**محمد شہیر وسیر**
تعداد:	**۱۰۰۰**
سن اشاعت:	**۲۰۲۲ء**
باراول:	**۲۰۲۰ء**
پبلشرز:	**حسن پبلیشرز، اردو بازار لاہور**

انتساب

اپنے دادا جان حضرت مولانا محمد شریف وسیر کے نام جن کے زیر سایہ چند سال گذرے اور یہی چند سال میری زندگی کا سنہری دور تھا، اور جن کا روحانی فیض ابھی تک جاری وساری ہے

پیش لفظ

ہر تخلیق کار دراصل اپنے باطن کے مہیب غاروں میں گونجتی اُن صداؤں کا مترجم ہوتا ہے جو عام انسانی شعور کے لیے یا تو ناقابلِ سماعت رہتی ہیں یا ناقابلِ فہم۔ ''ایوانِ وجود'' بھی ایک ایسی ہی فکری و روحانی کاوش ہے جس میں انسانی ذات کو محض گوشت پوست کے مرکب کے طور پر نہیں، بلکہ متضاد کیفیات، متنازع خواہشات، متصادم جذبات اور متوازی شعوری لہروں کے ایک پیچیدہ جہان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلوب، استعاراتی نہج اور تمثیلی پیرایۂ اظہار کے اعتبار سے قاری کو ایک ایسے داخلی مکالمے میں داخل کرتی ہے جہاں انسان اپنی ہی ذات کے کٹہرے میں کھڑا، اپنے ہی وجود کے اسرار سے برسرِ پیکار دکھائی دیتا ہے۔

اس تصنیف میں انسانی جذبات کو محض نفسیاتی وارداتوں کے طور پر پیش نہیں کیا گیا، بلکہ اُنہیں ایک زندہ، متحرک اور استدلالی وجود عطا کیا گیا ہے۔ حسد، محبت، غصہ، خوف، امید، نفرت، ایثار اور خواہش — یہ سب یہاں مجرد تصورات نہیں رہتے بلکہ مدعی بن کر سامنے آتے ہیں؛ ایسی سلطنت جس کا تاج دل کے سر پر ہے، جس کی وزارت عقل کے سپرد ہے، اور بلاغت کا فریضہ زبان و چہرہ سرانجام دیتے ہیں۔ گویا انسان کا باطن ایک ایوان بن جاتا ہے؛ ایک ایسا ایوان جہاں ہر جذبہ اپنی حقانیت کے اثبات کے لیے برہان پیش کرتا ہے اور عقل، جو بظاہر غیر جانب دار ہے، ہر دعوے کے پس منظر میں پوشیدہ امکانات اور مہلک مضمرات کو بے نقاب کرتی ہے۔

یہ تصنیف دراصل خیر و شر کی اُس ازلی کشمکش کا علامتی بیانیہ ہے جس میں کوئی جذبہ فی نفسہٖ نہ مطلق خیر ہے نہ مطلق شر؛ بلکہ اُس کی جہت، مقدار اور محلِ استعمال ہی اُس کی ماہیت کا تعین کرتے ہیں۔ محبت اگر حدودِ اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو کمزوری بن جاتی ہے، اور غصہ اگر میزانِ حکمت میں ڈھل جائے تو غیرت و حمیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی

نکتے کو اس تحریر میں نہایت فلسفیانہ رمزیت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی اصل عظمت جذبات کے انکار میں نہیں بلکہ اُن کی تہذیب، تنظیم اور تطہیر میں مضمر ہے۔

"ایوانِ وجود" محض ایک ادبی تصنیف نہیں، بلکہ انسانی نفس کے باطن میں اُترنے کی ایک فکری مہم ہے؛ ایسی مہم جو قاری کو اپنے ہی وجود کے آئینے میں جھانکنے پر مجبور کرتی ہے، اور اُسے یہ ادراک عطا کرتی ہے کہ انسان کے اندر برپا شور اگر عقل و قلب کی متوازن قیادت سے محروم ہو جائے تو وجود، ایواں نہیں، میدانِ جنگ بن جاتا ہے۔

محمد یوسف وسیر

ایوانِ وجود

ایوانِ وجود

انسانی باطن کے نہاں خانوں میں ایک روز عجیب ہنگامہ برپا ہوا۔ جذبات، جو عموماً خاموشی کے مخملی پردوں میں لپٹے رہتے تھے، آج اپنے اپنے وجود کی صداقت منوانے کو بے قرار تھے۔ محبت، جس کے دامن میں گلِ سرخ کی مہک اور شبنم کی نمی بسی تھی، نہایت نرمی سے گویا ہوئی کہ ''میں وہ قوت ہوں جو انسان کو انسان بناتی ہے، میرے بغیر دل محض سنگِ خارا ہے۔'' اس کے بالمقابل غصہ، جو آتشِ نمرود کی طرح دہکتا تھا، غرّایا کہ ''اگر میں نہ ہوں تو ظلم کا قلع قمع کون کرے؟''

خوف، جو لرزتے سائے کی مانند گوشہ نشین تھا، دھیمی آواز میں بولا کہ ''میری موجودگی ہی احتیاط کی بنیاد ہے، میں نہ رہوں تو انسان ہلاکت کی وادی میں بھٹک جائے۔'' ادھر غرور، اپنے تاجِ خود پسندی کو سنبھالتے ہوئے بولا، ''میں ہی وہ قوت ہوں جو انسان کو بلندیوں کا خواب دکھاتی ہے، ورنہ وہ خاک میں پڑا رہتا۔'' امید، صبحِ نو کی کرن کی طرح چمکی اور کہنے لگی، ''میری وجہ سے اندھیری راتوں میں بھی چراغ جلتے ہیں، میں نہ ہوں تو زندگی ایک بے رنگ داستان بن جائے۔''

یوں ہر جذبہ اپنے وجود کو آفتاب سے زیادہ درخشاں اور اپنے اثر کو ہوا سے زیادہ ناگزیر ثابت کرنے میں مصروف تھا۔ الفاظ کی یہ جنگ کبھی تند لہروں کی طرح شور مچاتی، کبھی سرگوشیوں میں ڈھل جاتی۔ مگر کوئی بھی دوسرے کے سامنے سر جھکانے کو آمادہ نہ تھا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اس نزاع کا فیصلہ کسی عام محفل میں نہیں بلکہ بادشاہ قلب الدولہ کے دربار میں

ہونا چاہیے، جہاں وزیر عقیل خاقان کی دانائی روشنی کا مینار بن کر سچ کو آشکار کرے گی۔

جذبات کا یہ قافلہ، اپنی اپنی کیفیتوں کے رنگ اوڑھے، شاہراہِ باطن سے گزرتا ہوا قصرِ شاہی کے دروازے پر پہنچا۔ دربار کے در و دیوار پر ایک عجب وقار طاری تھا، گویا ہر اینٹ میں صدیوں کی حکمت سو رہی ہو۔ دربان نے جب ان کی آمد کی خبر دی تو بادشاہ، جو شفقت و شدت کا حسین امتزاج تھا، نے انہیں اندر بلایا۔

جذبات نے اپنی عرضداشت پیش کی، ہر ایک کی آنکھوں میں اپنی اہمیت کا یقین اور لہجے میں استحقاق کی جھلک تھی۔ بادشاہ نے خاموشی سے سب سنا، اس کی آنکھیں کسی عمیق سمندر کی مانند تھیں جن میں طوفان بھی چھپ سکتے تھے اور سکون بھی۔ اس نے فوراً فیصلہ سنانے کے بجائے اپنے وزیر کی طرف دیکھا۔

عقیل خاقان، جو چراغِ خرد کی مانند روشن اور میزانِ عدل کی طرح متوازن تھا، نہایت سنجیدگی سے گویا ہوا۔ بادشاہ سلامت! یہ معاملہ سطحی نہیں، ہر جذبہ اپنے اندر ایک جہان رکھتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ایک با قاعدہ دربار منعقد کیا جائے، جہاں ہر جذبہ اپنا مقدمہ پیش کرے اور میں اس پر روشنی ڈالوں، تا کہ فیصلہ حق کے قریب تر ہو۔"

بادشاہ نے اس تجویز کو سراہا اور حکم دیا کہ ایک دن مقرر کیا جائے، جب یہ عظیم الشان محفل سجے۔ وزیر نے فوراً انتظامات کی ترتیب شروع کی — کس ترتیب سے جذبات آئیں گے، کون نقابت کرے گا، اور کس طرح گفتگو کا تسلسل قائم رکھا جائے گا۔ بلیغہ رانی کو اعلان و بیان کا فریضہ سونپا گیا اور رخسار غماز کو تاثرات کی ترجمانی کا۔

یوں ایک ایسا پروگرام ترتیب پایا جو نہ صرف ایک مقدمہ تھا بلکہ انسانی باطن کی تاریخ کا ایک یادگار رباب بننے والا تھا۔

مقررہ دن طلوع ہوا تو فضا میں ایک انجانی سنجیدگی گھلی ہوئی تھی، جیسے وقت خود بھی اس لمحے کی اہمیت سے آگاہ ہو۔ قصرِ دل کو اس شان سے سجایا گیا کہ گویا یہ کوئی عام محفل نہیں بلکہ کائنات کے اسرار کھلنے کا مقام ہو۔ دیواروں پر احساسات کی تصویریں آویزاں تھیں — کہیں خوشی کی قہقہہ زن جھلک، کہیں غم کی خاموش نمی، کہیں محبت کی نرم روشنی۔

فرش پر مخملی قالین بچھائے گئے جن پر قدم رکھتے ہی یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نرم خیال پر قدم رکھا جا رہا ہو۔ چھت سے لٹکتے چراغ ایسے جھلملا رہے تھے جیسے امید کے ستارے تاریکی کے دامن میں چمک رہے ہوں۔ ہر طرف ایک متوازن سکوت تھا، جو نہ مکمل خاموشی تھا اور نہ شور — بلکہ انتظار کی ایک لطیف کیفیت۔

دربار کے وسط میں ایک بلند و بالا تخت نصب تھا، جس پر بادشاہ جلوہ افروز ہونے والا تھا۔ اس کے پہلو میں وزیر کے لیے ایک نشست رکھی گئی تھی، جو نہ تخت سے کم تھی نہ اس کے برابر — گویا یہ علامت تھی کہ قلب الدولہ کی سلطنت میں عقیل

خاقان کا مقام مشیر کا ہے، حاکم کا نہیں، مگر اس کی اہمیت بھی کسی سے کم نہیں۔

سامنے کی جانب ایک کشادہ جگہ مخصوص کی گئی تھی جہاں جذبات نے باری باری آ کر اپنے دلائل پیش کرنے تھے۔ اس کے اطراف میں نشستیں ترتیب دی گئی تھیں، تاکہ دیگر جذبات خاموشی سے سن سکیں اور اس فکری معرکے کے گواہ بنیں۔

فضا میں ہلکی سی خوشبو رچی ہوئی تھی، جیسے یادوں کے باغ سے گزر کر آئی ہو۔ کہیں کہیں نغمگی کی مدھم سی لے سنائی دیتی تھی، جیسے وقت خود اس تقریب کے لیے ساز چھیڑ رہا ہو۔ ہر شے میں ایک علامتی حسن تھا— چراغ روشنی کے نہیں بلکہ بصیرت کے، قالین نرمی کے نہیں بلکہ احساس کی گہرائی کے، اور دیواریں محض اینٹوں کی نہیں بلکہ تجربات کی تاریخ کی آئینہ دار تھیں۔ یوں دربار نہ صرف ایک جگہ بلکہ ایک کیفیت بن گیا— ایک ایسا منظر جہاں انسان کے اندر بسا پورا جہان خود کو آشکار کرنے والا تھا۔

جب دربار اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ آراستہ ہو چکا تو یکا یک ایک ہلکی سی جنبش فضا میں محسوس ہوئی، جیسے کسی اہم آمد کی آہٹ ہو۔

سب سے پہلے بلیغہ رانی کی آمد ہوئی۔

جب بلیغہ رانی ایوان میں آئی تو یوں محسوس ہوا جیسے خاموشی کو الفاظ مل گئے ہوں۔ فضا میں ایک روانی، ایک موسیقیت اور ایک تاثیر پیدا ہو گئی، جیسے ہر جذبہ اب اپنے اظہار کے لیے بے تاب ہو۔

وہ ایک فصیح، حاضر جواب اور دلکش شخصیت کے روپ میں سامنے آئی۔ اس کا لباس چمکدار مگر متوازن رنگوں کا تھا، جیسے الفاظ کی خوبصورتی اور ترتیب اس میں جھلک رہی ہو۔ اس کے ہونٹ متحرک اور رواں، جیسے ہر لمحہ کوئی نیا جملہ جنم لے رہا ہو۔ اس کی آواز شیریں اور مؤثر، جو کبھی دل کو نرم کر دیتی اور کبھی آگ لگا دیتی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت اور چالاکی، جیسے وہ جانتی ہو کہ کب کیا کہنا ہے۔ اس کے ہاتھ اکثر اشاروں میں مصروف، جیسے وہ الفاظ کو مزید معنی دے رہی ہو۔ اس کی چال تیز اور رواں، جیسے دریا بہہ رہا ہو۔ کبھی وہ کسی خطیب کی طرح مجمع کو مسحور کر دیتی، اور کبھی کسی شاعر کی طرح الفاظ میں جادو بھر دیتی۔

مگر اس کے وجود میں ایک دوہری کیفیت بھی تھی— یہی بلیغہ رانی کبھی مرہم بن جاتی، اور کبھی تلوار۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایسی قوت ہے جو دل کے جذبات کو دنیا تک پہنچاتی ہے، مگر اگر بے لگام ہو جائے تو یہی الفاظ زخم بھی بن جاتے ہیں۔

بلیغہ رانی کے بعد رخسار غماز نمودار ہوا۔

وہ جذبات کی تصویریں بنانے میں ماہر تھا، اپنے تاثرات کو سنبھالے، ایک زندہ آئینہ معلوم ہوتا تھا۔

رخسار غماز ایک خوبصورت، متغیر اور دلکش شخصیت کا حامل تھا۔ اس کا لباس ہلکے اور بدلتے ہوئے رنگوں کا تھا، جیسے ہر لمحہ ایک نئی کیفیت اس پر اثر انداز ہو رہی ہو۔ کبھی وہ روشن، کبھی مدھم، کبھی سرخ، کبھی زرد— گویا جذبات کا رنگ اس پر نقش ہو جاتا ہو۔

اس کی آنکھیں سب سے زیادہ اثر رکھتی تھیں، جو دل کے رازوں کو خاموشی سے بیان کر دیتی تھیں۔ اس کے ہونٹ کبھی مسکراہٹ، کبھی خاموشی، کبھی کپکپاہٹ میں ڈھل جاتے۔ اس کے نقوش نرم مگر تیز، جیسے ہر لکیر ایک کہانی سنا رہی ہو۔ اس کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ بدلتے، جیسے آسمان پر بادلوں کی شکلیں۔ اس کی چال میں نزاکت تھی، جیسے وہ خود بھی جانتا ہو کہ اس پر سب کی نظریں ہیں۔

وہ کبھی یوسفؑ کے حسن کی تلمیح بن جاتا، جو دیکھنے والوں کو حیران کر دے، اور کبھی آئینہ دل کی طرح، جو سچ کو چھپا نہیں سکتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ رخسار غماز کی وہ زبان ہے جو بولے بغیر بھی سب کچھ کہہ دیتی ہے۔

بلیغہ رانی نے محفل کا آغاز کیا اور رخسار نے اپنے تاثرات سے اس کی تائید کی۔ یوں دربار کا آغاز ہوا—ایک ایسا دربار جہاں الفاظ تلوار بھی تھے اور مرہم بھی، اور جہاں فیصلہ محض عقل کا نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں کا آئینہ دار ہونے والا تھا۔

بادشاہ قلب الدولہ سے عرض کی گئی کہ وہ مسند صدارت پر براجمان ہونے کے لیے تشریف آور ہو۔

جب قلب الدولہ ایوانِ وجود کے تختِ صدارت پر جلوہ افروز ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے کائنات کا مرکز اپنی تمام تر کشش کے ساتھ ایک نقطے میں سمٹ آیا ہو۔ اس کی موجودگی میں ہر جذبہ، ہر خیال، ہر احساس اپنی حیثیت کھو کر اسی کے گرد گردش کرنے لگا۔

قلب الدولہ ایک باوقار، متوازن اور نورانی شخصیت کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اس کا لباس گہرے سرخ، سنہری اور سفید رنگوں کا حسین امتزاج تھا، جیسے محبت، قربانی اور پاکیزگی ایک وجود میں سمٹ آئے ہوں۔ اس کے سینے سے ایک مدھم مگر مسلسل روشنی پھوٹ رہی تھی، جیسے چراغِ حیات کبھی بجھنے نہ پائے۔

اس کا چہرہ پُرسکون مگر پُراثر، آنکھیں گہری اور بصیرت سے لبریز، جیسے وہ ہر جذبے کی تہہ تک پہنچ سکتی ہوں۔ ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ، جو کبھی شفقت بن جاتی اور کبھی فیصلہ کن سنجیدگی اختیار کر لیتی۔ اس کی آواز نرم مگر بااثر، جیسے کسی

صوفی کی گفتگو، جو دلوں میں اتر جائے۔ اس کے ہاتھ کھلے اور متوازن، جیسے وہ ہر جذبے کو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہو۔

قلب الدولہ کی چال میں ٹھہراؤ تھا، جیسے وقت بھی اس کے حکم کا پابند ہو۔ کبھی وہ حضرت سلیمانؑ کی حکمت کی مانند محسوس ہوتا، جو ہر مخلوق کی زبان سمجھتا تھا، اور کبھی ایک منصف بادشاہ، جو عدل کو اپنا شعار بناتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ بادشاہ وہ مرکز ہے جہاں تمام جذبات آ کر اپنی پہچان پاتے ہیں، اور جہاں سے ہر فیصلے کو زندگی ملتی ہے۔

وزارت کی مسند کو مشرف بہ تشریف کرنے کے لیے عقیل خاقان سے التماس کی گئی۔

عقیل خاقان ایوان میں داخل ہوا تو فضا میں ایک سنجیدگی، ایک ترتیب اور ایک ٹھنڈی روشنی پھیل گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے جذبات کی تیز لہروں پر عقل کی ایک مضبوط دیوار کھڑی ہو گئی ہو۔

عقیل خاقان ایک سنجیدہ، باریک بین اور باوقار شخصیت کے روپ میں سامنے آیا۔ اس کا لباس سفید، سرمئی اور نیلے رنگوں کا تھا، جیسے منطق، فکر اور وسعتِ نظر ایک وجود میں جمع ہو گئی ہو۔ اس کے ماتھے پر باریک لکیریں، جو گہرے غور و فکر کی علامت تھیں۔ اس کی آنکھیں تیز اور گہری، جیسے وہ ہر بات کو پرکھنے اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ ان آنکھوں میں جذبات کی نمی نہیں، بلکہ تجزیے کی روشنی تھی۔

اس کے ہونٹ کم بولنے والے، مگر جب بولتے تو الفاظ ناپے تلے اور فیصلہ کن ہوتے۔ اس کی آواز متوازن، نہ زیادہ بلند نہ مدھم، جیسے ہر لفظ ایک میزان پر تولا گیا ہو۔ اس کے ہاتھ اکثر پشت پر بندھے، جیسے وہ ہر چیز کو فاصلے سے دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہتا ہو۔ اس کی چال سیدھی اور منظّم، جیسے کوئی فلسفی اپنے خیالات کی دنیا میں گم ہو۔ کبھی وہ ارسطو کی منطق کی یاد دلاتا، اور کبھی ابنِ سینا کی حکمت کا عکس معلوم ہوتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ عقیل خاقان وہ قوت ہے جو جذبات کو حدود میں رکھتی ہے، ان کے عیوب ظاہر کرتی ہے، اور انسان کو اندھی تقلید سے بچاتی ہے۔

بلیغہ رانی نے ہلکی سی کھنکار کے بعد اعلان کیا:

"خواتین و حضراتِ جذبات! آج کی اس اہم نشست میں سب سے پہلے ہم دعوت دیتے ہیں ایک ایسے مہمان کو، جس کی آمد سے سکون کے دیے بجھ جاتے ہیں اور عقل کی شمع لرزنے لگتی ہے۔ آیئے استقبال کیجیے... غصیل شان!

جب غصیل ایوان میں داخل ہوا تو فضا یکدم بدل گئی۔ یوں لگا جیسے آسمان پر اچانک بادل گرج اٹھے ہوں اور بجلی کی تیز

چمک نے سکون کو چیر دیا ہو۔

وہ ایک بلند قامت، سرخ چہرے اور تیز نگاہوں والا وجود تھا۔ اس کا لباس گہرے سرخ اور سیاہ رنگ کا تھا، جیسے دہکتی ہوئی آگ کو کسی نے اندھیرے میں لپیٹ دیا ہو۔ اس کے قدم بھاری اور تیز تھے، ہر قدم کے ساتھ زمین جیسے کانپتی محسوس ہوتی تھی۔

اس کی آنکھیں شعلوں کی مانند دہک رہی تھیں، جن میں برداشت کی کوئی جھلک نہ تھی، صرف ردعمل اور شدت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں، جیسے کسی طوفان نے اپنی لکیریں وہاں نقش کر دی ہوں۔ اس کے ہاتھ مٹھیوں میں بند، جیسے کسی لمحے میں پھٹ پڑنے کو تیار ہوں۔ اس کی سانسیں تیز اور گرم، جیسے لو کا جھونکا، جو سامنے آنے والی ہر چیز کو جلا ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

غصیل شان کبھی فرعون کے غرور کی طرح بلند ہوتا، تو کبھی میدانِ جنگ میں تلوار کی جھنکار بن کر ابھرتا۔ اس کی آواز میں گرج تھی، جیسے بادل برسنے سے پہلے چیخ اٹھتے ہیں۔ اس کے گرد ایک سرخ دھواں سا پھیلا ہوا تھا، جو نہ صرف اس کی شدت کو ظاہر کرتا بلکہ اس کے قریب آنے والوں کو بھی بے چین کر دیتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسی آگ ہے جو اگر قابو میں رہے تو روشنی دے سکتی ہے، اور اگر بے قابو ہو جائے تو سب کچھ راکھ کر سکتی ہے۔

اس نے اسٹیج پر آتے ہی ایک زوردار سانس لی، جیسے اپنے اندر کے لاوے کو قابو میں رکھ رہا ہو، پھر گرجدار آواز میں بولا:

"میں ہوں غصیل شان! وہ قوت جو کمزور کو طاقتور بنا دیتی ہے، وہ چنگاری جو ظلم کے اندھیروں میں روشنی بن کر بھڑک اٹھتی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو انسان ظلم کے سامنے سر جھکا دیتا، ناانصافی کو تقدیر سمجھ لیتا۔ میں ہی وہ جذبہ ہوں جس نے حضرت موسیٰؑ کے دل میں فرعون کے خلاف جرات پیدا کی، میں ہی وہ آگ ہوں جس نے مظلوموں کو ظالموں کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ دیا۔ میری موجودگی میں انسان اپنی عزت کا دفاع کرتا ہے، اپنے حق کے لیے لڑتا ہے، اور باطل کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جاتا ہے۔ میں نہ ہوں تو غیرت مر جائے، خودداری مٹ جائے، اور انسان ایک بے حس پتھر بن جائے۔"

غصیل کی آواز میں گرج تھی، اور اس کے الفاظ جیسے بجلی بن کر فضا میں کوندرہے تھے۔

اب وزیرِ عقیل، اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کا چہرہ ٹھنڈا، آنکھیں گہری اور آواز متوازن تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اسٹیج کی طرف بڑھا، جیسے ہر قدم ناپ تول کر رکھ رہا ہو۔

اس نے غصیل کی طرف دیکھ کر کہا:

"اے غصیل! بے شک تو ایک طاقت ہے، مگر ہر طاقت اگر بے قابو ہو جائے تو تباہی کا سبب بنتی ہے۔
تو وہ آگ ہے جو اگر چولہے میں رہے تو کھانا پکاتی ہے، مگر اگر بھڑک اٹھے تو گھر جلا دیتی ہے۔ تو وہ دریا ہے جو اگر کناروں میں بہے تو زندگی بخشتا ہے، مگر اگر طغیانی کرے تو بستیاں ڈبو دیتا ہے۔
تو انسان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے، عقل کو مفلوج کر دیتا ہے، اور زبان کو زہر آلود کر دیتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان وہ الفاظ کہہ دیتا ہے جو تلوار سے زیادہ گہرے زخم دیتے ہیں۔ کتنے ہی رشتے تیرے ایک لمحے کے طوفان میں بہہ جاتے ہیں، کتنی ہی زندگیاں تیرے ایک جھونکے سے اجڑ جاتی ہیں۔ تو انصاف کا علمبردار بننے کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اکثر خود ہی ظلم کا ہتھیار بن جاتا ہے۔"

عقیل کی آواز میں نہ گرج تھی نہ تندی، مگر اس کے الفاظ میں ایسی گہرائی تھی جو سیدھا دل میں اترتی چلی جاتی تھی۔
غصیل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی میں جیسے تھوڑی سی نمی گھل گئی، اور اس کے شعلے جیسے مدھم پڑنے لگے۔

بلیغہ رانی نے ماحول کو سنبھالتے ہوئے کہا:

"یہ تھا غصیل شان — ایک ایسی قوت جو اگر قابو میں ہو تو محافظ، اور اگر بے قابو ہو جائے تو تباہی"!

جسمِ انسان کے اس پُراسرار ایوان میں ابھی غصیل کے شعلے پوری طرح بجھے بھی نہ تھے کہ فضا میں ایک لطیف سی خوشبو پھیلنے لگی۔ دل کی دھڑکنوں میں ایک نئی لے پیدا ہوئی — جیسے کسی نے سازِ ہستی کو نرمی سے چھیڑ دیا ہو۔ حرارت، جو ابھی تک دہکتے انگاروں کی صورت بیٹھی تھی، اس کی تپش میں بھی ایک عجیب سی نرمی در آئی۔

بلیغہ نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا:

"خواتین و حضرات! اب ہم دعوت دیتے ہیں اس ہستی کو جس کے بغیر کائنات ادھوری ہے، جس کے لمس سے پتھر موم ہو جاتے ہیں اور کانٹے گلزار بن جاتے ہیں... استقبال کیجیے — حبہ خاتون"!

حبہ خاتون جب ایوانِ وجود میں داخل ہوئی تو یوں محسوس ہوا جیسے بہار نے خود انسانی قالب اختیار کر لیا ہو۔ اس کا لباس نرم گلابی، سنہری اور ہلکے سفید رنگوں کا ایسا امتزاج تھا جیسے فجر کی پہلی کرن کسی گلاب کی پنکھڑی پر ٹھہر گئی ہو۔ اس کے قدم زمین پر نہیں پڑتے تھے بلکہ جیسے خوشبو کی لہر پر تیرتے ہوں۔

اس کا چہرہ ایک خاموش دعا کی مانند روشن تھا، آنکھیں گہری اور وسیع — جیسے سمندر کی تہہ میں چھپی ہوئی صداقتیں، جن میں قربانی، ایثار اور وفا کی کہانیاں موجزن تھیں۔ اس کی پلکیں جھکی ہوتیں تو یوں لگتا جیسے حیا نے خود کو سایہ کر لیا ہو، اور جب اٹھتیں تو روشنی کی ایک نرم سی قوس فضا میں پھیل جاتی۔ اس کے ہاتھ نرم، مگر مضبوط — جیسے ماں کی آغوش، جس میں سکون بھی ہو اور تحفظ بھی۔ اس کی سانسوں سے خوشبو نکلتی تھی، جیسے گلزار میں شبنم کے قطرے چپکے سے زمین کو چوم رہے ہوں۔ اس کے گرد ایک ہلکی سی روشنی کا ہالہ تھا، جو نہ صرف دل کو گرماتا بلکہ روح کو بھی روشن کرتا تھا۔

اس کی چال میں ٹھہراؤ تھا، مگر اس کے اندر ایک دریا کی سی روانی بھی تھی۔ وہ کبھی لیلیٰ و مجنوں کی داستان کی مانند بے قرار دکھائی دیتی، تو کبھی یوسفؑ و زلیخا کی آزمائشوں میں صبر کی تصویر بن جاتی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ حبہ کوئی ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک کائنات ہے — ایک ایسا آئینہ جس میں انسان اپنی اصل پہچان دیکھتا ہے۔

حبہ نے اسٹیج پر آ کر نگاہ اٹھائی۔ اس کی آواز میں نرمی تھی، مگر اس نرمی میں ایک عجیب سی طاقت پوشیدہ تھی:

"میں حبہ خاتون ہوں... وہ جذبہ جس پر اس کائنات کی بنیاد رکھی گئی۔ میں ہی وہ قوت ہوں جس نے انسان کو انسان سے جوڑا، میں ہی وہ روشنی ہوں جس نے دلوں کے اندھیروں کو منور کیا۔ اگر میں نہ ہوتی تو رشتے محض لفظ رہ جاتے، اور زندگی ایک بے رنگ صحرا بن جاتی۔ میں نے لیلیٰ و مجنوں کی داستانوں کو امر کیا، میں نے رومی کے اشعار کو روح دی، اور میں ہی وہ راز ہوں جس نے بندے کو اپنے خالق سے جوڑا۔ میری موجودگی میں نفرتیں پگھل جاتی ہیں، دل نرم ہو جاتے ہیں، اور انسان ایثار سیکھتا ہے۔ میں ہی وہ جذبہ ہوں جو ماں کو رات بھر جاگنے پر آمادہ کرتا ہے، جو دوست کو دوست کے لیے قربانی دینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ میں زخموں پر مرہم رکھتی ہوں، بکھرے ہوئے دلوں کو جوڑتی ہوں، اور نفرت کی آگ کو بجھا دیتی ہوں۔"

اس کی آواز میں ایسی مٹھاس تھی کہ جیسے شہد میں بھیگے ہوئے الفاظ دل پر ٹپک رہے ہوں۔

عقیل خاقان ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی سنجیدگی تھی، مگر اس بار اس کے لہجے میں ہلکی سی نرمی بھی شامل تھی۔

"اے حبہ خاتون"! اس نے کہا، "تو بے شک کائنات کی سب سے حسین طاقت ہے، مگر ہر حسن کے ساتھ ایک آزمائش بھی ہوتی ہے۔ تو انسان کو اندھا کر دیتی ہے — وہ حقیقت کو دیکھنا چھوڑ دیتا ہے، صرف وہی دیکھتا ہے جو اس کا دل دیکھنا چاہتا ہے۔ تو عقل کے ترازو کو بے وزن کر دیتی ہے، اور فیصلے جذبات کے سمندر میں بہا دیتی ہے۔

تیرے زیرِ اثر انسان اپنی ذات کو بھول جاتا ہے، کبھی اپنی عزت، کبھی اپنی پہچان، حتیٰ کہ کبھی اپنے اصول بھی قربان کر دیتا ہے۔ تو وہ شراب ہے جو اگر حد میں ہو تو سرور دیتی ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو ہوش چھین لیتی ہے۔ کتنے ہی دل تیرے نام پر ٹوٹے، کتنی ہی زندگیاں تیرے فریب میں بکھریں — کیونکہ ہر محبت خالص نہیں ہوتی، اور ہر دل سچا نہیں ہوتا۔ تو روشنی بھی ہے، مگر اگر بے اعتدال ہو جائے تو آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔"

حبہ نے وزیر کی بات خاموشی سے سنی۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی — جیسے وہ اپنی کمزوریوں کو بھی اپنی خوبصورتی کا حصہ سمجھتی ہو۔

اس کی آنکھوں میں ایک نمی سی تھی، مگر وہ نمی بھی کسی کمزوری کی نہیں بلکہ گہرائی کی علامت تھی۔

بلیغہ نے نرمی سے کہا:

"یہ تھی حبہ خاتون — دلوں کی سلطنت کی ملکہ، جو مرہم بھی ہے اور آزمائش بھی"!

رخسار غماز نے روشن مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا:

اب ہم اگلے مہمان کو بلاتے ہیں جو زندگی کو حرارت مہیا کرتا ہے۔

ایوانِ وجود میں حبہ خاتون کی خوشبو ابھی پوری طرح تحلیل بھی نہ ہوئی تھی کہ فضا میں ایک عجیب سی کڑواہٹ گھلنے لگی۔ جیسے کسی نے شفاف پانی میں زہر کی ایک بوند ٹپکا دی ہو۔ دل کی دھڑکنوں کی لے بگڑنے لگی، اور رگوں میں دوڑتا خون جیسے کسی سرد لہر کی گرفت میں آ گیا۔

بلیغہ نے ذرا سنجیدگی سے اعلان کیا:

"خواتین و حضراتِ جذبات! اب ہم بلا رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو روشنی کو بھی سیاہی میں بدلنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو محبت کے گلستان کو پل بھر میں خزاں رسیدہ کر دیتی ہے... استقبال کیجیے — نفرین شہزادی"!

ایوان کے ایک گوشے سے ایک سرد، بھاری اور سیاہ سایہ ابھرا۔ یہ نفرین تھی، جو اپنی خاموش مگر خوفناک موجودگی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

وہ ایک دراز قامت، سخت چہرے اور ٹھنڈی نگاہوں والی ہستی تھی۔ اس کا لباس سیاہ اور گہرے سرمئی رنگوں کا تھا، جیسے اندھیری رات میں دھواں گھل گیا ہو۔ اس کے قدم آہستہ مگر وزنی تھے، ہر قدم کے ساتھ فضا مزید بوجھل ہوتی جاتی۔

اس کی آنکھیں سرد اور تیز تھیں، جیسے برف کی نوک دار سلیں، جن میں نہ کوئی نرمی تھی نہ روشنی — صرف انکار اور دوری کی

جھلک۔ اس کے ہونٹ سختی سے بند، جیسے محبت کے ہر دروازے پر مہر لگا دی گئی ہو۔ اس کے ہاتھ خشک اور تناؤ سے بھرے ہوئے، جیسے وہ ہر چیز کو خود سے دور دھکیل دینا چاہتے ہوں۔ اس کی سانسیں سرد تھیں، جیسے سردیوں کی یخ بستہ ہوا، جو دلوں کو سکیڑ دیتی ہے۔ نفرین کبھی ابلیس کی سرکشی کی مانند دکھائی دیتی، جو جھکنے سے انکار کر دے، اور کبھی کسی ٹوٹے ہوئے دل کی خاموش چیخ بن جاتی۔ اس کے گرد ایک سیاہ دھند تھی، جو روشنی کو نگلتی اور فضا کو تنگ کر دیتی۔

اس کی چال میں ایک عجیب سی سختی تھی، جیسے وہ زمین کو بھی اپنے اثر میں جکڑ رہی ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسا زہر ہے، جو اگر دل میں جگہ بنا لے تو محبت کی ہر کلی کو مرجھا دیتا ہے اور انسان کو اپنے ہی وجود سے دور کر دیتا ہے۔

وہ اسٹیج پر آ کر رکی۔ اس کی آواز سرد تھی—نہ بلند، نہ پست، مگر اس میں ایسی کاٹ تھی جو خاموشی کو بھی زخمی کر دے۔

"میں نفرین شہزادی ہوں... وہ قوت جو فاصلے پیدا کرتی ہے، جو انسان کو اس کی حدود یاد دلاتی ہے۔ میں ہی وہ جذبہ ہوں جو انسان کو برائی سے دور رکھتا ہے۔ اگر میں نہ ہوتی تو انسان ہر گندگی کو گلے لگا لیتا، ہر ظلم کو قبول کر لیتا۔ میں ہی وہ احساس ہوں جو انسان کو ظلم سے نفرت کرنا سکھاتا ہے، جو اسے برائی کے خلاف کھڑا ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔ میرے بغیر محبت اندھی ہو جائے—وہ اچھے اور برے میں فرق نہ کر سکے۔ میں وہ لکیر ہوں جو حق اور باطل کے درمیان کھنچی جاتی ہے۔ میں انسان کو یہ سکھاتی ہوں کہ ہر چیز قابلِ قبول نہیں، ہر رویہ قابلِ برداشت نہیں۔ میں نہ ہوں تو انسان اپنی پہچان کھو دے، اور دنیا ایک بے رنگ آمیزہ بن جائے۔"

اس کے الفاظ میں برف کی سی ٹھنڈک تھی، مگر اس ٹھنڈک میں ایک عجیب سی سختی چھپی ہوئی تھی۔

وزیر آہستہ سے اٹھا۔ اس نے نفرین کو ایک گہری نظر سے دیکھا، جیسے اس کے وجود کے پار دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"اے نفرین"! اس نے دھیرے سے کہا، "تو بظاہر ایک محافظ ہے، مگر اکثر خود ہی سب سے بڑا دشمن بن جاتی ہے۔ تو دل میں جگہ بنا کر آہستہ آہستہ اسے کھوکھلا کر دیتی ہے—جیسے دیمک لکڑی کو اندر سے چاٹ جاتی ہے۔ تو انسان کو دوسروں سے نہیں، خود اس کی ذات سے دور کر دیتی ہے۔ وہ جس سے نفرت کرتا ہے، دراصل اس کے سائے میں جینے لگتا ہے۔ تو وہ زہر ہے جو دوسروں کو مارنے کے لیے پیا جاتا ہے، مگر سب سے پہلے پینے والے کو ختم کرتا ہے۔

تیرے زیرِ اثر انسان انصاف نہیں کرتا، بلکہ انتقام لیتا ہے۔ وہ سچ کو نہیں دیکھتا، صرف اپنی نفرت کے رنگ میں ہر چیز کو رنگ دیتا ہے۔ تو فاصلے پیدا کرتی ہے—اور پھر ان فاصلے کو اتنا بڑھا دیتی ہے کہ واپسی کا راستہ ہی کھو جائے۔

تو برائی سے نفرت کا درس دیتی ہے، مگر اکثر انسان کو انسان سے نفرت کرنا سکھا دیتی ہے۔"

وزیر، عقیل خاقان کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی تھی، جیسے وہ کسی پرانے زخم کی کہانی سنا رہا ہو۔

نفرین خاموش کھڑی رہی۔اس کے گرد جیسے ایک سناٹا سا چھا گیا۔اس کی آنکھوں کی سیاہی میں ایک لمحے کے لیے ہلکی سی لرزش آئی— مگر وہ فوراً دوبارہ گہری ہوگئی۔

بلیغہ نے محتاط انداز میں کہا:

"یہ تھی نفرین شہزادی—ایک ایسی لکیر جو اگر صحیح جگہ کھنچے تو حفاظت، اور اگر حد سے بڑھ جائے تو جدائی بن جاتی ہے"!

رخسار غماز نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا:

"اب اگلی باری ہے ایک ایسی شخصیت کی ہے جو زندگی کو مسکراہٹ دیتی ہے"...

بلیغہ رانی نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا:

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو دلوں میں روشنی بھرتی ہے، جو ہر درد میں امید کی کرن جگاتی ہے، جو زندگی کو خوشبو اور رنگ دیتی ہے... خوش آمدید، مسرت رانی"!

ایوانِ وجود میں نفرین کے سائے ابھی ماند پڑے بھی نہ تھے کہ فضا میں اچانک روشنی کی ایک کرن نے سب کچھ روشن کر دیا۔جیسے کسی نے سورج کی پہلی کرن کو چھو لیا ہو، یا شب کی سیاہی میں صبح کی ہلکی دھوپ آ گئی ہو۔دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، رگوں میں خون ہلکا سا سرور لیے دوڑنے لگا، اور پورے جسم میں ایک سنجیدہ مگر پُر لطف لہراؤ محسوس ہوا۔

دروازہ کھلا اور مسرت رانی کے قدم اندر داخل ہوئے۔

جب مسرت نے ایوانِ وجود میں قدم رکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے صبحِ عید اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوگئی ہو۔فضا میں ہلکی سی چمک پھیل گئی، جیسے سورج کی پہلی کرن کسی شبنم آلود پتّے پر مسکرا رہی ہو۔مسرت ایک نورانی اور سبک رفتار ہستی تھی۔اس کا لباس ہلکے زرد، سنہری اور آسمانی رنگوں کا ایسا حسین امتزاج تھا جیسے بہار نے اپنے تمام رنگ ایک وجود میں سمو دیے ہوں۔اس کے قدم زمین کو چھوتے تو یوں لگتا جیسے روشنی کے پھول کھل رہے ہوں۔

اس کا چہرہ ایک کھلی مسکراہٹ کی مانند روشن تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی، جیسے کوئی معصوم بچہ پہلی بار قہقہہ لگائے۔آنکھیں چمکتی ہوئی، جیسے تاروں کی جھلملاہٹ، جن میں امید اور بے فکری کی روشنی بسی ہوئی تھی۔اس کے بال ہوا کے ساتھ کھیلتے، جیسے کسی باغ میں تتلیاں پھولوں کے گرد رقص کر رہی ہوں۔اس کی آواز میں گھنٹیوں کی سی مٹھاس تھی، جو سننے والے کے دل میں ایک نرم سی لہر پیدا کرتی۔

اس کی چال میں ایک معصومانہ اچھال تھا، جیسے کوئی بچہ بارش میں بھیگتا ہوا قوسِ قزح کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کبھی وہ بسنت کی طرح رنگ بکھیرتی، تو کبھی عید کی طرح دلوں کو قریب لاتی۔ اس کے گرد ایک ہلکی، چمکتی ہوئی روشنی کا دائرہ تھا، جو ہر طرف مسکراہٹیں بکھیر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ خوشی صرف ایک جذبہ نہیں بلکہ ایک جشن ہے—ایک ایسا لمحہ جو زندگی کو معنی دیتا ہے۔

مسرت اسٹیج پر آ کر کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز میں موسیقی کی سرگوشی تھی، لیکن طاقت بھی تھی—جیسے نرم روشنی کے پیچھے سورج کی توانائی چھپی ہو:

"میں مسرت رانی ہوں! وہ روشنی جو دل کے اندھیروں کو ختم کر دیتی ہے۔ میں وہ جذبہ ہوں جو انسان کو امید دیتا، حوصلہ دیتا، اور زندگی کی رنگینی سکھاتا ہے۔ میں وہ کرن ہوں جو محبت کے پیغام کو بڑھاتی ہے، رشتوں میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے، اور دل کی بھڑکتی آگ کو سکون میں بدل دیتی ہے۔

میں زندگی کے ہر لمحے کو حسین بناتی ہوں، چھوٹے خوشیوں میں بڑی مسکراہٹیں پیدا کرتی ہوں۔ میں انسان کے چہرے پر ہنسی بکھیرتی ہوں، دل کو ہلکا کرتی ہوں، اور ذہن کو پُرسکون بناتی ہوں۔ میری موجودگی میں انسان کسی بھی مشکل کو برداشت کر لیتا ہے، کیونکہ میں اس کے دل میں امید کی روشنی جلائے رکھتی ہوں۔ میں وہ محبت کی پیغام رسان بھی ہوں، اور انسان کو اپنے اردگرد کے حسن کو دیکھنے کا حوصلہ دینے والی بھی۔"

اس کے الفاظ جیسے چھوٹے موتیوں کی طرح ایوان میں چھلکتے، ہر دل کو اپنی نرم روشنی سے چمکاتے۔

وزیر نے یہ تمام باتیں سنیں اور پھر آہستہ سے قدم بڑھایا۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی، مگر اس بار آواز میں ہلکی نرمی بھی شامل تھی:

"اے مسرت رانی! تو زندگی کا سب سے حسین جذبہ ہے، مگر ہر روشنی کی طرح تیرے بھی سایے ہیں۔ تو کبھی انسان کو حقیقت سے دور کر دیتی ہے۔ وہ دنیا کے مسائل کو نظرانداز کر دیتا، ہر خطرے کو چھوٹا سمجھ لیتا، اور اپنی حفاظت کا شعور کھو دیتا۔ تیرے زیرِ اثر انسان کبھی حد سے زیادہ خوش ہو کر غیر ضروری خطرات مول لے لیتا ہے، یا اپنے وسائل کو بے جا ضائع کر دیتا ہے۔ تو لمحے کی خوشی دیتی ہے، مگر ہمیشہ پائیداری کی ضمانت نہیں دیتی۔ تو وہ پھول ہے جو خوشبو بکھیرتا ہے، مگر اگر دیکھ بھال نہ کی جائے تو خوشی کی جگہ زوال آ جاتا ہے۔ تو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے، مگر بعض اوقات وہ اتنا نرم ہو جاتا کہ چالاکی اور فریب میں دھوکہ کھا بیٹھتا ہے۔"

وزیر کے الفاظ میں سنجیدگی تھی، مگر وہ مسرت کے الفاظ کے اثر کو کم نہ کر سکے، بلکہ اس کے وجود کو مزید گہرا کر گئے۔

مسرت رانی نے عقیل خاقان کی تنقید خاموشی سے سنی، اور ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے چہرے پر روشنی بکھیر دی۔ اس کے گرد کا ماحول پُر امید اور روشن ہو گیا۔ دلوں میں ایک سرور جاگ اٹھا، اور ایوان میں فضا میں ایک ہلکی خوشبو گھل گئی۔

بلیغہ نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا:

"یہ تھی مسرت رانی—زندگی کی وہ روشنی جو ہر دل کو جلا بخشتی ہے"!

رخسار نے نرم انداز میں کہا:

"اب باری ہے ایک شخصیت کی، جو خوشی کے روشن آسمان میں بادل بن کر چھا جائے"...

ایوانِ وجود میں مسرت کی روشنی ابھی مکمل طور پر جگہ بنا بھی نہ پائی تھی کہ اچانک ہوا میں ایک عجیب سی تلخی گھلنے لگی۔ دل کی دھڑکنیں بے چین ہو گئیں، اور رگوں میں خون تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ حرارت کے چہرے پر ایک ہلکی سی سیاہی چھا گئی، جیسے کسی نے اچانک دن کے درمیان سایہ ڈال دیا ہو۔

بلیغہ رانی نے ایک محتاط مگر بلند لہجے میں اعلان کیا:

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم بلا رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو دلوں میں چھپے خواہشات کو آگے لاتی ہے، جو خوشی کے لمحوں کو شک وتردید کی آنچ میں بھگاتی ہے... استقبال کیجیے—حسود الملک"!

جب حسود الملک ایوان میں داخل ہوا تو فضا میں ایک عجیب سی کھچاؤ اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ یوں لگا جیسے کسی سرسبز باغ میں اچانک کوئی زہریلا سانپ سر اٹھا لے۔

وہ ایک دبلا، تیز نظر اور اندر سے جلتا ہوا وجود تھا۔ اس کا لباس گہرے سبز اور سیاہ رنگ کا تھا، جیسے کسی تازہ زخم پر پڑی ہوئی پرانی چھایا۔ اس کے قدم آہستہ مگر چھپے ہوئے تھے، جیسے وہ کسی کو دکھائی دیے بغیر قریب آنا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھیں باریک اور چمکتی ہوئی، جیسے کسی اور کی خوشی میں اپنی کمی تلاش کر رہی ہوں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی چبھن تھی، جیسے کسی نے روشنی کو دیکھ کر اس سے منہ موڑ لیا ہو۔ اس کے ہونٹ ہلکے سے بھنچے ہوئے، جیسے وہ کسی اور کی کامیابی کو برداشت نہ کر پا رہا ہو۔ اس کے ہاتھ بے چین، جیسے وہ کسی چیز کو چھین لینا چاہتا ہو جو اس کے پاس نہیں۔ اس کی سانسوں میں ایک ہلکی سی گرمی اور زہر کی جھلک تھی، جیسے اندر ہی اندر کوئی آگ سلگ رہی ہو۔

وہ کبھی قابیل کی مانند دکھائی دیتا، جس نے اپنے ہی بھائی کے خلاف دل میں زہر پال لیا، اور کبھی کسی خاموش دشمن کی طرح، جو سامنے مسکرا کر پیچھے سے وار کرے۔ اس کے گرد ایک سبز مائل دھند تھی، جو نہ صرف اسے چھپاتی بلکہ دوسروں کی روشنی کو بھی مدھم کر دیتی۔ اس کی چال میں ایک عجیب سی بے قراری تھی، جیسے وہ کبھی مطمئن نہ ہو سکے۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ حسد ایک ایسا زہر ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچانے سے پہلے خود اپنے وجود کو کھوکھلا کر دیتا ہے، اور دل کو سکون سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیتا ہے۔

حسود الملک یوں گویا ہوا۔

"میں حسود الملک ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو اپنی حدود یاد دلاتا ہے۔

میں ہی وہ محرک ہوں جو انسان کو اپنی قابلیت بہتر کرنے پر مجبور کرتا ہے، جو اسے اپنی کمزوریوں سے آگاہ کرتا ہے۔ میں انسان کو یہ سکھاتا ہوں کہ دوسروں کی کامیابیاں اسے کمتر نہیں بلکہ اسے بہتر بنانے کا محرک ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو انسان اپنی حالت پر مطمئن ہو کر ترقی کے راستے بند کر دیتا، اور زندگی کے ہر لمحے میں سست روی چھا جاتی۔ میں کبھی کبھی انسان کے اندر جستجو اور محنت پیدا کرتا ہوں، کیونکہ جو دل مقابلے کی خواہش نہ رکھے، وہ خود میں کمزور رہ جاتا ہے۔ میں وہ چھپی ہوئی توانائی ہوں جو انسان کو اپنی ذات کے معیار پر کھڑا ہونے کا حوصلہ دیتی ہے۔"

الفاظ کے ساتھ، حسود کی موجودگی میں ایک عجیب تناؤ محسوس ہوتا تھا— جیسے ہر لمحہ انسان اپنی محدودیت سے آگاہ ہو اور کچھ کرنے کی طاقت پائے۔

وزیر نے اپنا قدم بڑھایا، اور اپنی آواز میں ایک سنجیدگی بھری احتیاط کے ساتھ کہا:

"اے حسود! تو بظاہر انسان کو محنت اور آگہی کی طرف لے جاتا ہے، مگر اکثر خود ہی سب سے بڑا زہر بن جاتا ہے۔

تو انسان کے دل میں تلخی ڈال دیتا ہے، خوشیوں کو کھا جاتا ہے، اور رشتوں میں خلیج پیدا کر دیتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان دوسروں کی کامیابی کو برداشت نہیں کر پاتا، اور اکثر اپنے قریبی لوگوں سے دور ہو جاتا ہے۔ تو ایک ایسا جن ہے جو اندر سے سست، بیرحم، اور کبھی کبھی ظالم بھی بنا دیتا ہے۔ تیری طاقت بے قابو ہو جائے تو انسان کا ذہن شک و بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور محبت، دوستی، اور تعاون سب کچھ مدھم ہو جاتا ہے۔

تو انسان کو ترقی کی خواہش دلاتا ہے، مگر اکثر انسان کے سکون اور اطمینان کو برباد کر دیتا ہے۔ تو روشنی کے بیچ سایہ ہے، مگر اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کو اندھیرے میں دھکیل دیتا ہے۔"

وزیر کے الفاظ میں ایک طرح کی حقیقت پسندی تھی، جو حسود الملک کی تلخی کو بیان کرتے ہوئے اس کے اثرات کو صاف کر رہی تھی۔

حسود نے وزیر کی بات خاموشی سے سنی، اور ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں نرمائش آئی — مگر وہ لمحہ فوراً ختم ہو گیا۔

اس کے قدم، لباس، اور ہوا میں گھلی تلخی باقی رہی، اور ایوان میں ایک بے چین کیفیت چھا گئی۔

بلیغہ رانی نے سنجیدگی سے کہا:

"یہ تھا حسود الملک — ایک ایسا جذبہ جو انسان کو آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہے، مگر بے قابو ہو جائے تو دل کے اندھیروں کا زہر بن جاتا ہے"!

رخسار غماز نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا:

"اب اگلی باری ہے ایک ایسے فرد کی، جو تلخی کے بعد دلوں میں روشنی بھر دے"...

ایوانِ وجود میں حسود الملک کی تلخی ابھی فضاؤں میں مدھم بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک پرسکون روشنی نے ماحول کو چھو لیا۔ دل کی دھڑکنیں آہستہ اور پرسکون ہو گئیں، اور رگوں میں دوڑتا خون نرم لہروں کی طرح بہنے لگا۔ حرارت کے چہرے پر بھی سختی کی لالی مدھم پڑ گئی اور ایک ہلکی سی نرمی چھا گئی۔

بلیغہ نے نرم لہجے میں اعلان کیا:

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں ایسی ہستی کو جو دل کو سکون دیتی ہے، جو انسان کے اندر شکر گزاری اور قبولیت پیدا کرتی ہے، جو لمحوں کو مکمل اور دل کو مطمئن بناتی ہے... استقبال کیجیے — سکون الدولہ"!

جب سکون الدولہ ایوانِ وجود میں داخل ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے شام کی نرم، سنہری روشنی کسی تھکے ہوئے مسافر کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے سکون دے رہی ہو۔ فضا میں ایک خاموش ٹھہراؤ پیدا ہو گیا، جیسے وقت خود چند لمحوں کے لیے رک گیا ہو۔

سکون الدولہ ایک متوازن اور باوقار ہستی کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ اس کا لباس ہلکے خاکی، سبز اور سفید رنگوں کا ایسا حسین امتزاج تھا جیسے کسی سرسبز وادی میں بہتی ہوئی ہوا نے زمین اور آسمان کو ایک ساتھ سمیٹ لیا ہو۔ اس کے قدم نہایت آہستہ اور ناپے ہوئے تھے، جیسے ہر قدم میں یقین اور قبولیت کی مہر لگی ہو۔

اس کا چہرہ ایک خاموش مسکراہٹ سے مزین تھا — نہ زیادہ خوشی، نہ کوئی غم، بلکہ ایک ایسی کیفیت جو دل کو ٹھہراؤ بخشتی ہے۔اس کی آنکھیں نیم وا، جیسے کسی نے دنیا کی بے قراری کو دیکھ کر اسے قبول کر لیا ہو۔ان آنکھوں میں ایک عجیب سی گہرائی تھی، جیسے دریا کی سطح پر سکون ہو مگر اندر ایک مکمل توازن موجزن ہو۔اس کے ہاتھ کھلے اور نرم، جیسے وہ دنیا کو جوں کا توں قبول کرنے کو تیار ہو۔اس کی سانسوں میں ٹھنڈک تھی، جیسے گرمی کے دن میں اچانک چلنے والی ہلکی ہوا۔

اس کی چال میں کوئی جلدی نہ تھی، جیسے وہ ہر لمحے کو پوری طرح جینے کا ہنر جانتا ہو۔کبھی وہ کسی صوفی درویش کی مانند دکھائی دیتا، جو دنیا کی خواہشات سے بے نیاز ہو،تو کبھی کسی کسان کی طرح، جو اپنی محنت کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر شکرادا کرتا ہے۔اس کے گرد ایک نرم، مدھم روشنی تھی، جو نہ چمکتی تھی نہ مدھم پڑتی — بلکہ بس قائم رہتی تھی، جیسے سکون کی ایک مستقل حالت ۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ سکون الدولہ کا ساتھ وہ مقام ہے جہاں خواہشیں خاموش ہو جاتی ہیں اور دل کو اپنی موجودہ حالت میں خوشی مل جاتی ہے۔

وہ اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔اس کی آواز میں نہ صرف نرمی تھی بلکہ ایسی طاقت بھی تھی جو دلوں کو خاموشی سے قابو میں لے لیتی:

"میں سکون الدولہ ہوں! وہ احساس جو انسان کے دل کو سکون بخشتا ہے، جو لمحے کو پورا اور زندگی کو متوازن بناتا ہے۔

میں وہ روشنی ہوں جو انسان کو اپنی موجودہ حالت سے خوش رہنا سکھاتی ہے، خواہ حالات کیسے بھی ہوں۔

میں وہ طاقت ہوں جو حسد اور بے چینی کو کم کرتی ہے، انسان کو اپنے اندرونی سکون سے جوڑتی ہے۔میری موجودگی میں انسان چھوٹی خوشیوں کو محسوس کرتا، بڑے دکھوں میں بھی حوصلہ پاتا، اور ہر لمحے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔میں وہ جذبہ ہوں جو انسان کو اپنی زندگی میں شکرگزاری اور مطمئن رہنے کی راہ دکھاتا ہے۔میں انسان کو دوسروں سے مقابلہ کرنے کی خواہش میں اندھا نہیں کرتا، بلکہ اپنی ذات کی قدر کرنا سکھاتا ہوں۔میں وہ سکون ہوں جو دل کو نرم، دماغ کو پرسکون اور روح کو مطمئن کر دیتا ہے۔"

اس کی آواز میں ایک عجیب سی خوشبو اور ہلکی روشنی تھی، جو ایوان کے ہر کونے کو مسحور کر رہی تھی۔

عقیل خاقان نے قدم بڑھایا، اور اپنی متوازن آواز میں کہا:

"اے سکون الدولہ! تو دل کے لیے راحت ہے، مگر کبھی کبھی حد سے زیادہ سکون انسان کو سست بنا دیتا ہے۔

تیرے زیرِ اثر انسان خطرات کو نظرانداز کر دیتا، محنت کی کمی کر بیٹھتا، اور ترقی کے راستے بند کر دیتا۔

تو کبھی انسان کو سکون میں اتنا مصروف کر دیتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے سے غافل ہو جاتا۔تیری حد اگر زیادہ

ہو جائے تو انسان مسائل کا سامنا کرنے سے ڈر جاتا، تبدیلی سے بھاگتا ہے، اور زندگی کے رنگ کمزور پڑ جاتے ہیں۔ تو سکون کا سمندر ہے، مگر کبھی کبھی وہ اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی جدو جہد کی کشتی کو بھلا دیتا ہے۔ تو زندگی کو پرسکون بناتی ہے، مگر اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کو ترقی کی راہ سے دور کر دیتی ہے۔"

سکون الدولہ نے دماغ کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ایوان کو روشنی اور اطمینان سے بھر دیا۔ اس کی موجودگی میں حسود الملک کی تلخی اور مسرت رانی کی روشنی دونوں متوازن ہو گئی۔ دلوں میں اطمینان کی لہر جاگ اُٹھی، اور فضا میں ایک پرسکون سرور گھل گیا۔

بلیغہ رانی نے نرمی سے کہا:

"یہ تھا سکون الدولہ — ایک ایسا جذبہ جو دل اور دماغ کے درمیان توازن پیدا کرتا ہے، اور زندگی کے ہر لمحے کو مکمل بناتا ہے"!

رخسار غماز نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا:

"اب باری ہے ایک جذبے کی، جو اطمینان میں دراڑ ڈال دے"...

ایوانِ وجود میں اطمینان کی نرم روشنی ابھی پوری طرح جگہ بنا بھی نہ پائی تھی کہ اچانک فضا میں ایک خنک اور سنجیدہ ہوا چل گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں، اور رگوں میں خون جیسے رک گیا ہو اور پورے ایوان میں ایک خاموشی سی چھا گئی۔

بلیغہ رانی نے مدھم مگر سنجیدہ لہجے میں اعلان کیا:

"خواتین و حضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو انسان کے دل میں احتیاط، الجھن اور شک پیدا کرتی ہے، جو چھپی ہوئی خطرات کی آواز سناتی ہے، مگر کبھی کبھی انسان کو اس کی اپنی جڑوں سے دور کر دیتی ہے... استقبال کیجیے —

مخدوش آغا"!

مخدوش آغا ایک دبلا، لرزتا اور سہمے ہوئے وجود کے طور پر سامنے آیا۔ اس کا لباس دھندلے سرمئی اور سیاہ رنگ کا تھا، جیسے کہر میں لپٹی ہوئی رات ہو۔ اس کے قدم آہستہ اور ہچکچاتے ہوئے، جیسے ہر قدم سے پہلے وہ زمین کی پختگی کو پرکھ رہا ہو۔

اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی اور بے چین، جیسے ہر سمت کسی انجانے خطرے کو تلاش کر رہی ہوں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی گھبراہٹ تھی، جیسے روشنی بھی اسے تسلی نہ دے پا رہی ہو۔ اس کے ہونٹ خشک اور کانپتے ہوئے، جیسے کوئی ان کہی بات اس کے اندر ہی قید ہو۔ اس کے ہاتھ لرزتے، جیسے وہ کسی سہارے کی تلاش میں ہوں مگر یقین نہ ہو کہ وہ سہارا ملے گا بھی یا نہیں۔ اس کی سانسیں بے ترتیب اور تیز، جیسے کسی نے اچانک اسے اندھیرے میں دھکیل دیا ہو۔

مخدوش آغا کبھی رات کے سناٹے کی مانند محسوس ہوتا، جہاں ہر آہٹ خطرہ لگتی ہے، اور کبھی کسی بچے کی طرح جو بجلی کی گرج سے سہم کر ماں کی آغوش میں چھپ جاتا ہے۔ اس کے گرد ایک دھندسی چھائی ہوئی تھی، جو چیزوں کو واضح ہونے نہیں دیتی بلکہ ہر شے کو مبہم اور خوفناک بنا دیتی ہے۔

اس کی چال میں جھجک تھی، جیسے وہ آگے بڑھنا چاہتا ہو مگر ہر قدم پر رک جاتا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک سایہ ہے — اگر حد میں رہے تو انسان کو بچاتا ہے، مگر بڑھ جائے تو اسے اپنی ہی زندگی سے ڈرا دیتا ہے۔

مخدوش آغا اسٹیج پر آ کر رکا۔ اس کی آواز نرم، مگر کانوں میں سرسراہٹ پیدا کرنے والی تھی۔

"میں مخدوش آغا ہوں... وہ وجود جو انسان کو خطرات سے آگاہ کرتا ہے، جو اسے محتاط بناتا ہے اور بے سوچے سمجھے قدم اٹھانے سے روکتا ہے۔ میں وہ حفاظت ہوں جو انسان کو نقصان سے بچاتی ہے، میں وہ احساس ہوں جو انسان کو اپنی زندگی کی قدر سکھاتا ہے۔ میں انسان کو محتاط کرنے والا پہرہ ہوں، تاکہ وہ اندھا دھند خطرے میں نہ کودے۔ میں انسان کو سکھاتا ہوں کہ ہر لمحے میں احتیاط ضروری ہے، اور عقل کے بغیر عمل تباہی لا سکتا ہے۔ میری موجودگی میں انسان اپنے حدود کو پہچانتا ہے، اور خطرے سے بچنے کی حکمت اختیار کرتا ہے۔"

اس کی آواز میں ایک عجیب توازن تھا، جو خوف کو بوجھل اور سنگین بناتے ہوئے، انسان کی بقاء کے لیے ضروری دکھا رہا تھا۔

وزیر نے اپنا قدم بڑھایا اور کہا:

"اے مخدوش آغا! تیرے بغیر انسان بے پرواہ ہو سکتا ہے، مگر حد سے زیادہ خوف انسان کو جکڑ دیتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کر پاتا، نئے مواقع سے دور رہتا ہے، اور اکثر زندگی کے راستے ترک کر دیتا ہے۔ تو بعض اوقات انسان کے دل میں غیر ضروری شک پیدا کر دیتا ہے، اسے دوستوں اور مواقع سے خوفزدہ کر دیتا ہے، اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ تو وہ زنجیر ہے جو کچھ محفوظ رکھتی ہے، مگر اکثر آزاد ہونے کی راہ بھی بند کر دیتی

ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان کبھی اپنے خوف سے غلام ہو جاتا ہے، اور اس کی ہمت، خوشی اور سکون سب مدھم ہو جاتے ہیں۔"

وزیر کی آواز میں حقیقت پسندی تھی، جو مخدوش آغا کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے حد سے بڑھنے والے اثرات کو واضح کر رہی تھی۔

مخدوش آغا نے عقیل خاقان کی بات خاموشی سے سنی، اور ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر ہلکی سی لرزش محسوس ہوئی۔ اس کے قدم، لباس، اور ماحول میں سنسناہٹ باقی رہی، مگر ایوان میں ایک نئی ہچکچاہٹ اور احتیاط پیدا ہوئی۔

بلیغہ رانی نے سنجیدگی سے کہا:

"یہ تھا مخدوش آغا—ایک ایسا جذبہ جو انسان کی حفاظت کرتا ہے، مگر اگر حد سے بڑھ جائے تو اس کی زندگی کو محدود کر دیتا ہے"!

رخسار غماز اور بلیغہ رانی نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا:

"اب باری ہے ایک ایسے وجود کی، جو خوف کے بعد دلوں میں روشنی اور حوصلہ بھر دے"...

ایوانِ وجود میں مخدوش آغا کی سنسناہٹ ابھی پوری طرح تحلیل بھی نہ ہوئی تھی کہ اچانک ایک نرم مگر تابناک روشنی نے فضا میں گھلنا شروع کیا۔ دل کی دھڑکنوں میں ایک نئی لہر جاگی، اور رگوں میں خون ایک ہلکی سی توانائی کے ساتھ دوڑنے لگا۔ حرارت کے چہرے پر سردی مدھم پڑ گئی اور ایک ہلکی مسکراہٹ جاگ اُٹھی، جیسے زندگی دوبارہ سانس لینے لگی ہو۔

"امل خانم ایوانِ وجود میں داخل ہوئی تو یوں محسوس ہوا جیسے گھنے بادلوں کے پیچھے سے سورج کی ایک نرم، سنہری کرن زمین کو چھونے کے لیے بے تاب ہو۔ فضا میں ایک ہلکی سی روشنی پھیل گئی، جیسے اندھیرے کے دل میں کسی نے چراغ جلا دیا ہو۔

امل ایک لطیف، روشن اور نازک ہستی کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ اس کا لباس ہلکے سبز، سنہری اور آسمانی رنگوں کا ایسا دلکش امتزاج تھا جیسے بہار کی پہلی کونپل کسی سنہری صبح میں آنکھ کھول رہی ہو۔ اس کے قدم ہلکے اور پرواز کی مانند تھے، جیسے وہ زمین پر نہیں بلکہ کسی خواب کی سطح پر چل رہی ہو۔

اس کا چہرہ نرم اور پُر نور تھا، ہونٹوں پر ایک مدھم مسکراہٹ، جیسے کسی نے اندھیرے میں بھی روشنی پر یقین رکھا ہو۔ اس کی آنکھیں چمکتی ہوئی، جیسے دور افق پر ٹمٹماتا ہوا ستارہ، جو مسافر کو راستہ دکھاتا ہے۔ اس کے ہاتھ کھلے ہوئے، جیسے وہ ہر

مایوس دل کو تھامنے کے لیے تیار ہو۔اس کی سانسوں میں ایک تازگی تھی، جیسے بارش کے بعد مٹی سے اٹھنے والی خوشبو، جو دل کو نئی زندگی کا احساس دلاتی ہے۔

اس کی چال میں ایک خاموش یقین تھا، جیسے اسے معلوم ہو کہ ہر رات کے بعد صبح ضرور آئے گی۔کبھی وہ حضرت یعقوبؑ کے صبر و یقین کی مانند دکھائی دیتی، جو اندھیرے میں بھی روشنی کی امید رکھتے ہیں، تو کبھی کسی چراغ کی طرح جو طوفان میں بھی بجھنے سے انکار کر دے۔اس کے گرد ایک ہلکی، روشن کرنوں کا ہالہ تھا، جو اندھیرے کو مکمل ختم نہ سہی مگر کم ضرور کر دیتا تھا۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ امل وہ روشنی ہے جو انسان کو گرنے کے بعد اٹھنے کا حوصلہ دیتی ہے اور زندگی کو آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہے۔

امل خانم اسٹیج پر آ کر کھڑی ہوئی۔اس کی آواز میں وہ کشش تھی جو سننے والے کے دل میں فوراً جذبہ جگا دیتی:

"میں امل ہوں! وہ جذبہ جو انسان کو ہر اندھیری گھڑی میں روشنی دکھائے۔میں وہ طاقت ہوں جو دل کو مضبوط کرے، یقین دلائے کہ ہر مشکل کا حل موجود ہے۔میری موجودگی میں خوف کی سنسناہٹ کم ہو جاتی ہے، مایوسی کا سایہ مدھم پڑ جاتا ہے، اور انسان آگے بڑھنے کی ہمت پاتا ہے۔میں یہ سکھاتی ہوں کہ ہر رات کے بعد صبح آتی ہے، ہر طوفان کے بعد سکون ہوتا ہے، اور ہر گراوٹ کے بعد نیا آغاز ممکن ہے۔میں وہ جذبہ ہوں جو انسان کی اندرونی توانائی کو جگاتا ہے، جو دل میں اعتماد پیدا کرتا ہے، اور ہر رکاوٹ کے باوجود آگے بڑھنے کی راہ دکھاتا ہے۔میری طاقت سے انسان مشکلات کو شکست نہیں سمجھتا، بلکہ سبق سمجھ کر آگے بڑھتا ہے۔میں زندگی کا پھیلاؤ اور دل کہ روشنی ہوں۔"

اس کی آواز میں ایک نرم چمک اور توانائی تھی، جو ایوان کے ہر کونے کو متاثر کر رہی تھی۔

عقیل خاقان نے قدم بڑھایا اور اپنی متوازن آواز میں کہا۔

"اے امل خانم! تو انسان کے دل کی روشنی اور حوصلہ ہے، مگر حد سے زیادہ امید کبھی کبھی حقیقت سے آنکھیں موڑ دیتی ہے۔تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات حقیقت کی تلخی کو نظر انداز کر دیتا، غیر محفوظ فیصلے کر بیٹھتا، اور خود کو نقصان میں ڈال دیتا ہے۔تو انسان کو حوصلہ اور ہمت دیتی ہے، مگر بعض اوقات یہ حد سے بڑھ کر جنون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

تیری روشنی انسان کو کبھی کبھی اندھیروں کی حقیقت نہیں دکھاتی، اور وہ امید کے سحر میں اپنی حفاظت کو بھول جاتا ہے۔

تو انسان کے لیے قوت ہے، مگر حد سے زیادہ ہو تو اندھیرا اور روشنی کا تضاد پیدا کر سکتی ہے۔"

عقیل خاقان کی بات میں حقیقت پسندی اور تنقید تھی، جو امل کی خوبصورتی اور خطرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

امل نے وزیر کی تنقید خاموشی سے سنی، اور ایک نرم مگر پُر لطف مسکراہٹ کے ساتھ ایوان میں روشنی اور حوصلہ بکھیر دیا۔ اس کی موجودگی نے خوف کے سنسناہٹ کو مدھم کر دیا اور اطمینان کی روشنی کے ساتھ توازن قائم کر دیا۔ دلوں میں نیا جذبہ اور نئے مواقع کی تمنا جاگ اُٹھی، اور فضا میں توانائی کی نرم لہر محسوس ہوئی۔

بلیغہ رانی نے پر جوش لہجے میں کہا:

" یہ تھی امل خانم — اندھیروں میں روشنی، مشکلات میں حوصلہ، اور دل میں نئی توانائی پیدا کرنے والا جذبہ "! رخسار غماز نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا۔

ایوانِ وجود میں امل کی روشن کرن ابھی پوری طرح پھوٹ بھی نہ پائی تھی کہ اچانک فضا میں ایک بھاری، سرد اور دھیما سا سناٹا چھا گیا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں، اور رگوں میں دوڑتا خون جیسے وزن کے بوجھ تلے دب گیا۔ حرارت کے چہرے پر سرخی مدھم پڑ گئی، اور پورے ایوان میں ایک گہری خاموشی چھا گئی۔

بلیغہ رانی نے آہستہ، مگر اثر رکھنے والے لہجے میں اعلان کیا۔

" خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو دل کی روشنی کو مدھم کر دیتی ہے، جو انسان کی امیدوں کو دبا دیتی ہے، جو ہر خوشی کے لمحے میں ایک تاریک سایہ ڈال دیتی ہے... خوش آمدید، قنوطہ خاتون "!

قنوطہ خاتون ایوان میں داخل ہوئی تو فضا پر ایک بھاری اور گہرا سایہ چھا گیا۔ یوں لگا جیسے سورج اچانک بادلوں میں چھپ گیا ہو اور روشنی کا ہر راستہ بند ہو گیا ہو۔ اس کا لباس گہرے سیاہ اور مدھم سرمئی رنگوں کا تھا، جیسے رات کی سیاہی نے خود کو آنسوؤں میں بھگو لیا ہو۔ اس کے قدم بے جان اور سست، جیسے ہر قدم اٹھانا اس کے لیے ایک بوجھ ہو۔ اس کا چہرہ پژمردہ اور بے نور تھا، جیسے کسی نے امید کی شمع بجھا دی ہو۔ آنکھیں جھکی ہوئی، جیسے وہ دنیا کو دیکھنے کی ہمت کھو چکی ہو۔ ان آنکھوں میں ایک گہرا خلا تھا، جیسے وہاں کبھی روشنی تھی مگر اب صرف اندھیرا رہ گیا ہو۔ اس کے ہونٹ خاموش، جیسے الفاظ نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے اور بے حرکت، جیسے وہ کسی کوشش سے دستبردار ہو چکی ہو۔

اس کی سانسیں بھاری، جیسے ہر سانس ایک جدوجہد ہو۔ وہ کبھی کسی شکست خوردہ سپاہی کی طرح لگتی، جو میدانِ جنگ چھوڑ کر لوٹ رہا ہو، اور کبھی کسی ٹوٹے ہوئے دل کی مانند، جو خود کو سنبھالنے کی طاقت کھو چکا ہو۔ اس کے گرد ایک گہری دھند تھی، جو نہ صرف روشنی کو چھپاتی بلکہ ہر امید کو بھی نگل جاتی تھی۔

اس کی چال میں کوئی سمت نہ تھی، جیسے وہ بس چل رہی ہو مگر منزل کا تصور بھی ختم ہو چکا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مایوسی

ایک ایسا اندھیرا ہے جو اگر دل میں بس جائے تو انسان کو اپنے وجود کی روشنی سے محروم کر دیتا ہے۔
قنوطہ خاتون اسٹیج پر آ کر رکی۔ اس کی آواز بھاری اور مدھم تھی، لیکن سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔
"میں قنوطہ خاتون ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو اپنی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، جو ہر کامیابی کے بعد انسان کو زمینی حقائق یاد دلاتی ہے۔ میں وہ آہستہ زہر ہوں جو انسان کو اپنی کمزوریوں، ناکامیوں اور حدود سے روبرو کراتی ہوں۔ میری موجودگی انسان کو غیر ضروری فخر، غلط توقعات، اور اندھی امید سے بچاتی ہے۔ میں انسان کو سکھاتی ہوں کہ ہر خواب حقیقت بننا ضروری نہیں، ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ میں انسان کو حقیقت پسندی کی طرف مائل کرتی ہوں، تاکہ وہ اپنے اعمال اور فیصلوں میں محتاط رہے۔ میری طاقت سے انسان اپنی حدود پہچانتا ہے، اور اندھی امید کی وجہ سے خود کو نقصان پہنچانے سے بچاتا ہے۔"
اس کی آواز میں ایک خاموشی کی شدت تھی، جو سننے والے کے دل کو اندر سے ہلا دیتی، اور ایوان میں ایک دباؤ پیدا کر رہی تھی۔
عقیل خاقان نے اپنا قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:
"اے قنوطہ! تو انسان کو حقیقت پسندی سکھاتی ہے، مگر حد سے زیادہ تو انسان کو زمین پر جکڑ دیتی ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان اپنی ہمت، جوش اور امید کھو دیتا، ہر موقع سے دستبردار ہو جاتا، اور ترقی کی راہ چھوڑ دیتا۔ تو انسان کے دل میں ایک بھاری پن ڈال دیتی ہے، جو ہر نئی کوشش کو مشکل بناتا ہے۔ تیری شدت اگر زیادہ ہو جائے تو انسان کے خواب، محبت، اور خوشی سب مدھم پڑ جاتے ہیں، اور وہ زندگی کی روشنی سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ تو کبھی انسان کو محتاط رکھتی ہے، مگر اکثر اسے غیر فعال بنا دیتی ہے۔ تو امید کے خلاف ایک سایہ ہے، اور اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کے اندرونی شعاعیں مکمل طور پر بجھ جاتی ہیں۔"
وزیر کی آواز میں حقیقت پسندی تھی، جو مایوسی کی طاقت اور خطرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔
قنوطہ نے دماغ کی تنقید خاموشی سے سنی، اور ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر نیچی آنکھوں میں خالی پن چھا گیا۔
اس کے قدم، لباس، اور ماحول میں بھاری پن برقرار رہا، اور ایوان میں ایک سنجیدہ خاموشی چھا گئی۔
بلیغہ نے دھیرے سے کہا:
"یہ تھی قنوطہ خاتون—ایک ایسا جذبہ جو انسان کو حقیقت پسندی سکھاتی ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو دل اور دماغ کو جکڑ

دیتی ہے"!

رخسار غماز نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا:

"اب باری ہے ایک جذبے کی، جو مایوسی کے بھاری سائے کے بعد دلوں میں روشنی اور حوصلہ بھر دے"...

... خوش آمدید، شاکرہ بی بی"!

جب شاکرہ بی بی ایوانِ وجود میں داخل ہوئی تو یوں محسوس ہوا جیسے سحر کی پہلی اذان کے ساتھ فضا میں ایک روحانی سکون اتر آیا ہو۔ ہر طرف ایک نرم سی روشنی پھیل گئی، جیسے دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا آسمان کی طرف اٹھ رہی ہو۔

شاکرہ ایک نہایت باوقار، جھکی ہوئی مگر روشن ہستی کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ اس کا لباس ہلکے سنہری، سفید اور مٹیالے رنگوں کا ایسا حسین امتزاج تھا جیسے زمین نے آسمان کا شکر ادا کرتے ہوئے خود کو روشنی میں نہلا لیا ہو۔ اس کے قدم نہایت آہستہ اور عاجزی سے بھرپور تھے، جیسے ہر قدم کے ساتھ وہ زمین کو بوسہ دے رہی ہو۔ اس کا چہرہ نور سے منور تھا، مگر اس نور میں کوئی غرور نہ تھا— صرف عاجزی اور سکون کی جھلک۔ اس کی آنکھیں نم سی، جیسے کسی نے نعمتوں کو پہچان کر دل سے شکر ادا کیا ہو۔ ان آنکھوں میں ایک خاموش تسلیم تھا، جیسے انسان نے اپنی کمی کو مان کر اپنے رب کی عطا کو پہچان لیا ہو۔ اس کے ہاتھ ہمیشہ دعا کے انداز میں اٹھے رہتے، جیسے وہ ہر لمحہ شکر ادا کرنے میں مصروف ہو۔ اس کی سانسوں میں ایک عجب سی مٹھاس تھی، جیسے ذکر کی لذت دل سے نکل کر فضا میں پھیل رہی ہو۔

شاکرہ بی بی کی چال میں انکساری تھی، جیسے کوئی بندہ اپنے رب کے حضور جھک کر کھڑا ہو۔ کبھی وہ حضرت سلیمانؑ کی دعا کی یاد دلاتی، "*یہ تیرے فضل سے ہے*"، تو کبھی کسی فقیر کی طرح دکھائی دیتی جو تھوڑے میں بھی خوش ہو۔

اس کے گرد ایک نرم، روشن اور متوازن ہالہ تھا، جو دل کو نہ صرف سکون دیتا بلکہ اسے مزید نعمتوں کے احساس سے بھر دیتا۔ شاکرہ بی بی اسٹیج پر آ کر کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز میں ایک نرم دھن اور توانائی تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً سکون اور خوشی پیدا کر رہی تھی۔

"میں شاکرہ بی بی ہوں! وہ جذبہ جو انسان کو اپنی زندگی میں موجود ہر نعمت کا ادراک دلاتا ہے، جو ہر لمحے کو قیمتی بناتا ہے۔ میں انسان کو یہ سکھاتی ہوں کہ ہر چھوٹی خوشی، ہر چھوٹا لمحہ اہم ہے، اور ہر رشتہ قابل قدر ہے۔ میری موجودگی انسان کے دل میں عاجزی، اطمینان اور محبت پیدا کرتی ہے۔ میں انسان کے خیالات اور اعمال کو مثبت سمت دیتی ہوں، اس کے تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہوں، اور ہر لمحے میں سکون کی لہر بکھیرتی ہوں۔ میں انسان کو یہ باور

کراتی ہوں کہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے لمحے ہی سب سے بڑی خوشیاں ہیں، اور ہر نعمت کو شکر کے ساتھ قبول کرنا انسان کو مضبوط بناتا ہے۔"

اس کی آواز میں نرم روشنی اور خوشبو تھی، جو ایوان میں ہر کونے تک پہنچ کر دلوں کو متاثر کر رہی تھی۔

شاکرہ نے اپنی بات ختم کی تو وزیر نے نہائت شائستگی سے کہنا شروع کیا۔

"اے شاکرہ بی بی! تو دل کے لیے روشنی اور سکون ہے، مگر حد سے زیادہ تو انسان کو غیر فعال کر سکتی ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات اپنے حالات سے مطمئن ہو کر ترقی کے راستے ترک کر دیتا۔ تو انسان کو ہر نعمت کی قدر سکھاتی ہے، مگر کبھی کبھی حد سے زیادہ شکر گزاری اسے خطرات یا مواقع سے غافل کر دیتی ہے۔ تیری موجودگی دل کو نرم، دماغ کو پر سکون اور روح کو مطمئن کرتی ہے، مگر ضرورت سے زیادہ ہو جائے تو انسان کی حوصلہ افزائی اور جدوجہد کم ہو جاتی ہے۔ تو زندگی کو خوشگوار بناتی ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کے لیے ترقی کی راہیں محدود کر دیتی ہے۔"

وزیر کی بات میں حقیقت پسندی اور تنقید تھی، جو شکر گزاری کی خوبیوں اور ممکنہ خطرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

شاکرہ بی بی نے وزیر کی بات خاموشی سے سنی، اور ایک نرم مگر تابناک مسکراہٹ کے ساتھ ایوان میں روشنی، خوشبو اور سکون بکھیر دیا۔

بلیغہ رانی نے پر جوش لہجے میں کہا:

"یہ تھی شاکرہ بی بی — زندگی کی ہر نعمت کی قدر سکھانے والی، دل کو نرم کرنے والی، اور دماغ کو متوازن رکھنے والی طاقت"!

"خواتین و حضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو دلوں میں خاموش درد، غم، اور ادھوری یادیں جگاتی ہے، جو خوشیوں کے لمحوں میں بھی ایک تلخی پیدا کر دیتی ہے... خوش آمدید، افسردہ شہزادی"!

دروازہ کھلا، اور افسردہ شہزادی اندر داخل ہوئی۔

فضا پر ایک خاموش، گہری اور بوجھل کیفیت طاری ہو گئی۔ یوں لگا جیسے شام ڈھل رہی ہو اور سورج اپنی آخری کرنیں سمیٹ رہا ہو۔

افسردہ شہزادی ایک خاموش، جھکی ہوئی اور دھند میں لپٹی ہستی کے طور پر سامنے آئی۔ اس کا لباس ہلکے سرمئی، نیلے اور سیاہ رنگوں کا تھا، جیسے بارش کے بعد کا اداس آسمان۔ اس کے قدم دھیرے اور بے آواز تھے، جیسے وہ زمین کو جگانا نہیں

چاہتی۔

اس کا چہرہ پژمردہ **مگر** پُراثر تھا۔ آنکھیں نم، جیسے بارش کے قطرے کسی کھڑکی پر ٹھہر گئے ہوں۔ ان آنکھوں میں **ایک** خاموش کہانی تھی، جو لفظوں کے بغیر بھی دل تک پہنچ جاتی تھی۔ اس کے ہونٹ بند، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو **مگر** الفاظ ساتھ نہ دے رہے ہوں۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے، جیسے وہ دنیا کی بھاگ دوڑ سے تھک چکی ہو۔ اس کی سانسیں مدھم اور گہری، جیسے ہر سانس میں **ایک** چھپی ہوئی آہ ہو۔ وہ کبھی کسی شاعر کی تنہائی کی طرح محسوس ہوتی، جو رات کے سناٹے میں اپنے دکھ کو لفظوں میں ڈھالتا ہے، اور کبھی کسی بچھڑے ہوئے انسان کی خاموش یاد بن جاتی ہے۔ اس کے گرد **ایک** ہلکی سی نمی بھری فضا تھی، جو نہ صرف آنکھوں کو نم کرتی بلکہ دل کو بھی بھاری کر دیتی۔ اس کی چال میں ٹھہراؤ تھا، جیسے وہ جلدی میں نہ ہو بلکہ ہر دکھ کو پوری طرح محسوس کرنا چاہتی ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ **ایک** ایسا جذبہ ہے جو دل کو نرم کرتا ہے، انسان کو اس کی کمزوری کا احساس دلاتا ہے، اور بعض اوقات اسے اپنی حقیقت سے روشناس بھی کراتا ہے۔

افسردہ شہزادی اسٹیج پر آ کر رکی۔ اس کی آواز نرم اور گہری تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔

"میں افسردہ شہزادی ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو اپنے اندر جھانکنے، اپنی کمیوں اور یادوں سے روبرو ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں انسان کو اپنے جذبات کو سمجھنے کا موقع دیتی ہوں، اور اس کی اندرونی گہرائی کو بڑھاتی ہوں۔ میری موجودگی انسان کو اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ ہر خوشی کے بعد کبھی کبھی درد بھی ہوتا ہے، اور ہر کامیابی میں ادھوری یادیں چھپی ہوتی ہیں۔ میں انسان کو اس کی انسانیت یاد دلاتی ہوں، اس کے دل کی حساسیت اور نرمی کو مضبوط کرتی ہوں۔ میری طاقت سے انسان اپنی جذباتی زندگی کو سمجھتا ہے، دوسروں کے دکھ کو محسوس کرتا ہے، اور ان کے ساتھ ہمدردی پیدا کرتا ہے۔"

اس کی آواز میں **ایک** مدھم چمک اور سکون تھا، جو ایوان میں ہر گوشے کو چھو کر دلوں میں خاموش غم اور سوچ پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے افسردہ شہزادی! تو انسان کے دل کی گہرائی اور حساسیت کی نمائندہ ہے، **مگر** حد سے زیادہ تو انسان کو غیر فعال کر دیتی ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان اپنی توانائی اور حوصلے کھو دیتا، اپنے خوابوں اور مواقع سے دستبردار ہو جاتا، اور زندگی کے ہر لمحے میں تھکن محسوس کرتا ہے۔ تو کبھی انسان کو اپنی ذات میں غرق کر دیتی ہے، دوسروں کے ساتھ تعلقات میں

دوری پیدا کرتی ہے، اور مثبت جذبوں کی راہیں محدود کر دیتی ہے۔ تیری شدت اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کی امید، حوصلہ اور محبت سب مدھم پڑ جاتے ہیں۔ تو انسان کے دل کو سنجیدہ اور نرمی دیتی ہے، مگر حد سے زیادہ ہو تو زندگی کی روشنی کمزور ہو جاتی ہے۔"

وزیر کی بات میں حقیقت پسندی اور تنقید تھی، جو اداسی کی خوبیاں اور اس کے حد سے زیادہ اثرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

افسردہ شہزادی نے دماغ کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنے نرم، بھاری قدموں کے ساتھ ایوان میں ایک گہرا اثر چھوڑا۔

بلیغہ نے دھیرے سے کہا:

"یہ تھی افسردہ شہزادی — ایک ایسا جذبہ جو دل کی گہرائی، حساسیت اور ہمدردی پیدا کرتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو تو زندگی کے رنگ مدھم کر دیتا ہے"!

رخسار غماز نے نرم اور پرکشش لہجے میں اعلان کیا:

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دلوں میں دوسروں کے دکھ اور خوشی کو محسوس کرنے کی طاقت پیدا کرتی ہے، جو دلوں کو جوڑتی ہے، اور محبت و احترام کی فضا بکھیرتی ہے... خوش آمدید، شفیقہ خاتون"!

دروازہ کھلا، اور شفیقہ خاتون اندر داخل ہوئی۔

تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی زخمی دل پر نرمی سے رکھا گیا مرہم آہستہ آہستہ اثر دکھا رہا ہو۔ فضا میں ایک خاموش سی نرمی پھیل گئی، جیسے کسی نے درد کو محسوس کر کے اسے بانٹ لیا ہو۔

شفیقہ خاتون ایک نہایت نرم خو، ملائم اور دل نشین ہستی کے روپ میں سامنے آئی۔ اس کا لباس ہلکے نیلے، سفید اور مدھم گلابی رنگوں کا امتزاج تھا، جیسے آسمان نے زمین کے دکھ کو اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ اس کے قدم آہستہ اور محتاط تھے، جیسے وہ کسی ٹوٹے ہوئے دل پر پیر رکھنے سے بھی گریز کر رہی ہو۔

اس کا چہرہ سکون اور درد کے امتزاج سے مزین تھا۔ آنکھیں نم، مگر روشن — جیسے کسی نے اپنے آنسوؤں میں دوسروں کے دکھ کی تصویر دیکھ لی ہو۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی گہرائی تھی، جیسے وہ ہر دل کی کہانی سن سکتی ہوں۔ اس کے ہاتھ

نرم اور پھیلائے ہوئے، جیسے ہر دکھی انسان کو سہارا دینے کے لیے تیار ہوں۔اس کے لمس میں وہ تاثیر تھی جو درد کو کم کر دیتی ہے، جیسے ماں کا ہاتھ بچے کے سر پر۔اس کی سانسوں میں ایک ٹھنڈک تھی، جیسے کسی نے جلتے ہوئے دل پر پانی چھڑک دیا ہو۔اس کی چال میں جھکاؤ تھا، جیسے وہ خود کو دوسروں کے برابر لا رہی ہو۔کبھی وہ حضرت یوسفؑ کی معافی کی طرح دکھائی دیتی، جو ظلم سہہ کر بھی دل میں نرمی رکھے، اور کبھی کسی درویش کی طرح، جو دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ بنا لے۔اس کے گرد ایک نرم روشنی کا دائرہ تھا، جو نہ صرف دکھ کو کم کرتا بلکہ دلوں کو قریب بھی لاتا تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ شفیقہ خاتون وہ پل ہے جو ایک دل کو دوسرے دل سے جوڑتا ہے، اور انسان کو انسان بناتا ہے۔

شفیقہ خاتون اسٹیج پر آ کر کھڑی ہوئی۔اس کی آواز میں نرم دھن اور محبت بھری کشش تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔

"میں شفیقہ خاتون ہوں! وہ جذبہ جو انسان کو دوسروں کے درد اور خوشی کو محسوس کرنے کی طاقت دیتا ہے، جو دلوں کو جوڑتا ہے اور محبت بکھیرتا ہے۔

میری موجودگی انسان کو دوسروں کے دکھ کو سمجھنے، ان کے ساتھ شریک ہونے اور مدد کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔میں انسان کے دل میں نرم دل اور رحم دلی پیدا کرتی ہوں، تعلقات میں ہم آہنگی اور محبت بھرتی ہوں۔میں انسان کو یہ سکھاتی ہوں کہ ہر شخص کی کہانی اہم ہے، ہر درد قابلِ احترام ہے، اور ہر خوشی میں شریک ہونا انسان کو مزید انسان بناتا ہے۔

میری طاقت سے انسان اپنے دل کو کھولتا ہے، سماج میں امن اور محبت کو فروغ دیتا ہے، اور اپنے اور دوسروں کے تعلقات مضبوط کرتا ہے۔

"اس کی آواز میں ایک نرم چمک اور توانائی تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں قربت اور محبت پیدا کر رہی تھی۔

عقیل خاقان نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے شفیقہ خاتون! تو انسان کے دل کو نرم اور دوسروں کے ساتھ جوڑتی ہے، **مگر** حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان اپنی حدود کھو دیتا ہے۔تیرے زیر اثر انسان بعض اوقات دوسروں کے مسائل میں اتنا غرق ہو جاتا ہے کہ اپنی زندگی کے اہم کام نظر انداز ہو جاتے ہیں۔تو انسان کو دوسروں کا درد سمجھنے کی طاقت دیتی ہے، **مگر** بعض اوقات حد سے زیادہ ہمدردی انسان کی خود اعتمادی اور فیصلے کی صلاحیت کم کر دیتی ہے۔تیری شدت اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان اپنی خوشیوں اور

ضروریات کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے، اور زندگی کے توازن میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ تو انسان کے دل اور معاشرت کے لیے اہم ہے، مگر اعتدال کے بغیر اثر نقصان دہ ہوسکتا ہے۔"

شفیقہ خاتون نے وزیر کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی نرم، محبت بھری موجودگی کے ساتھ ایوان میں سکون اور قربت کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے اداسی کی بھاری تلخی کو نرم کر دیا، شکرگزاری اور امید کی روشنی کے ساتھ توازن قائم کر دیا، اور دلوں میں دوسروں کے لیے محبت اور تعاون کی لہر جاگ اُٹھی۔

بلیغہ رانی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ تھی شفیقہ — دلوں کو جوڑنے، محبت بکھیرنے، اور سماج میں قربت پیدا کرنے والی"!

اور خواتین و حضرات جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں ایک ایسی ہستی کو، جو انسان کے اندر شرمندگی، جھجک اور خود شناسی پیدا کرتی ہے، جو ہر غلطی پر سبق سکھاتی ہے، اور بعض اوقات دل میں وزن ڈال دیتی ہے...

خوش آمدید، خجالہ بی بی"!

خجالہ بی بی ایوان میں داخل ہوئی تو فضا میں ایک نرم مگر جھکی ہوئی کیفیت پیدا ہوگئی۔ یوں لگا جیسے کوئی چراغ اپنی روشنی کو خود ہی کم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

خجالہ بی بی ایک نحیف، جھکی ہوئی اور خاموش ہستی کے طور پر سامنے آئی۔ اس کا لباس ہلکے گلابی، مدھم سرخ اور سرمئی رنگوں کا تھا، جیسے کسی نے روشنی کو حیا کے پردے میں چھپا لیا ہو۔ اس کے قدم آہستہ اور محتاط تھے، جیسے وہ کسی کی نظر میں آئے بغیر گزر جانا چاہتی ہو۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا، گال ہلکے سرخ، جیسے کسی نے اس پر حیا کا رنگ بھر دیا ہو۔ اس کی آنکھیں نیچی، جیسے وہ خود سے نظریں ملانے سے بھی گریز کر رہی ہو۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی نرمی اور کمزوری تھی، جیسے وہ اپنے ہی وجود سے سوال کر رہی ہو۔ اس کے ہونٹ بند اور لرزتے ہوئے، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو مگر الفاظ اس کا ساتھ نہ دے رہے ہوں۔ اس کے ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے، جیسے وہ خود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی سانسیں ہلکی اور بے ترتیب، جیسے ہر سانس کے ساتھ وہ خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

خجالہ بی بی کبھی آدمؑ و حوا کی توبہ کی یاد دلاتی، جب انہوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا، اور کبھی کسی بچے کی طرح محسوس ہوتی جو ڈانٹ کے بعد خاموشی سے سر جھکا لیتا ہے۔ اس کے گرد ایک مدھم سی فضا تھی، جو نہ مکمل اندھیری تھی نہ روشن — بلکہ ایک درمیانی کیفیت، جیسے روشنی اور سایہ ایک دوسرے میں گھل گئے ہوں۔ اس کی چال میں جھکاؤ تھا، جیسے وہ خود کو دنیا

کی نگاہوں سے چھپانا چاہتی ہو۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ خجالہ بی بی وہ آئینہ ہے جو انسان کو اس کی غلطیوں کا احساس دلاتا ہے، اور اگر درست سمجھا جائے تو اسے اصلاح کی طرف لے جا سکتا ہے۔

خجالہ بی بی اسٹیج پر آ کر رکی۔ اس کی آواز مدھم مگر اثر انگیز تھی۔

"میں خجالہ بی بی ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو اپنی غلطیوں کا احساس دلاتا ہے، جو اسے اپنی ذات کا تجزیہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

میری موجودگی انسان کو اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ ہر عمل کے نتائج ہوتے ہیں، اور ہر غلطی سبق سکھاتی ہے۔

میں انسان کو خود شناسی دیتی ہوں، اس کے کردار کو مضبوط بناتی ہوں، اور اسے دوسروں کے سامنے اپنے اعمال کے بارے میں محتاط رہنے کی ترغیب دیتی ہوں۔ میں انسان کو یہ سکھاتی ہوں کہ ہر غلطی پر سکون سے غور کریں، اور دوبارہ قدم اٹھانے سے پہلے اپنے اعمال کا اندازہ لگائیں۔ میری طاقت سے انسان اخلاقی، باعزت، اور محتاط بنتا ہے۔"

اس کی آواز میں ایک نرم دباؤ اور سنجیدگی تھی، جو ایوان میں ہر گوشے کو چھو کر دلوں میں احتیاط اور خود شناسی پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے خجالہ بی بی! تو انسان کے لیے اخلاق اور خود شناسی پیدا کرتی ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان کی ہمت اور اعتماد کھو دیتی ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات ہر موقع پر جھجک اور خوف محسوس کرتا، اہم فیصلوں سے کتراتا، اور زندگی کے مواقع چھوڑ دیتا۔ تو انسان کو محتاط اور ذمہ دار بناتی ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کے دل و دماغ میں غیر ضروری دباؤ پیدا کر دیتا ہے۔ تیری شدت انسان کو غیر فعال کر سکتی ہے، اسے نئے تجربات سے روک سکتی ہے، اور دل کی روشنی کو مدھم کر سکتی ہے۔"

وزیر کی بات حقیقت پسندی اور توازن سے بھری تھی، جو شرمندگی کی خوبیوں اور حد سے زیادہ اثرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

خجالہ نے دماغ کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنے نرم، سنجیدہ قدموں کے ساتھ ایوان میں ایک ہلکی سنجیدگی اور خود شناسی کی لہر چھوڑ دی۔ اس کی موجودگی نے شفیقہ اور شاکرہ کی روشنی میں احتیاط اور اخلاق کا توازن پیدا کیا، اور دلوں میں

سنجیدگی اور محتاط غور و فکر کی لہر جاگ اُٹھی۔

بلیغہ رانی اور رخسار غماز نے آہستہ مگر پراثر لہجے میں کہا:

"یہ تھی خجالہ بی بی — دل و دماغ میں اخلاق اور خود شناسی پیدا کرنے والی، **مگر** حد سے زیادہ ہو تو انسان کی ہمت کمزور کر دینے والی طاقت"!

اور خواتین و حضرات جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو دل و دماغ میں یقین، جرأت، اور خود اعتمادی پیدا کرتی ہے، جو انسان کو ہر چیلنج کا سامنا کرنے کی ہمت دیتی ہے... خوش آمدید، معتمد خان"!

جب معتمد خان ایوانِ وجود میں داخل ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے سورج پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو رہا ہو۔ فضا میں ایک مضبوطی، استحکام اور یقین کی لہر دوڑ گئی، جیسے زمین نے اپنے قدموں کو اور مضبوطی سے جما لیا ہو۔

معتمد خان ایک بلند قامت، پُرعزم اور باوقار ہستی کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ اس کا لباس گہرے نیلے، سنہری اور سفید رنگوں کا حسین امتزاج تھا، جیسے آسمان کی وسعت اور سورج کی روشنی ایک وجود میں جمع ہو گئی ہو۔ اس کے قدم مضبوط اور پُراعتماد تھے، جیسے ہر قدم کے ساتھ وہ زمین کو یقین دلا رہا ہو کہ وہ کبھی نہیں لڑکھڑائے گا۔ اس کا چہرہ روشن اور سنجیدہ تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ، جو خود اعتمادی کی عکاسی کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں سیدھی اور ثابت، جیسے وہ اپنی منزل کو صاف صاف دیکھ رہا ہو۔ ان آنکھوں میں نہ غرور تھا نہ جھجھک — صرف یقین کی روشنی تھی۔ اس کے ہاتھ مضبوط **مگر** متوازن، جیسے وہ ہر چیلنج کو تھامنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کی سانسیں ہموار اور پُرسکون، جیسے اندر ایک مکمل توازن موجود ہو۔

اس کی چال میں استقامت تھی، جیسے کوئی سپاہی میدانِ جنگ میں ڈٹا ہوا ہو، یا جیسے کوئی رہنما اپنی قوم کو راستہ دکھا رہا ہو۔ کبھی وہ حضرت موسیٰؑ کے یقین کی طرح دکھائی دیتا، جو سمندر کے سامنے بھی نہیں ڈگمگاتے، اور کبھی کسی عقاب کی مانند، جو بلند پرواز کرتے ہوئے زمین کو نیچے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے گرد ایک روشن **مگر** مضبوط ہالہ تھا، جو نہ صرف اسے نمایاں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی حوصلہ دیتا تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ معتمد وہ قوت ہے جو انسان کو اپنی پہچان دیتی ہے اور اسے ہر مشکل کے سامنے ثابت قدم رکھتی ہے۔

معتمد خان اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔اس کی آواز میں وضوح، طاقت اور پختگی تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔

"میں معتمد خان ہوں! وہ جذبہ جو انسان کو اپنی صلاحیتوں پر یقین دلاتا ہے، جو ہر مشکل اور چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ہمت دیتا ہے۔میری موجودگی انسان کے دل و دماغ میں خوداعتمادی، جرأت، اور خود پر یقین پیدا کرتی ہے۔میں انسان کو یہ سکھاتا ہوں کہ ہر کامیابی کے لیے خود پر بھروسہ ضروری ہے، اور ہر ناکامی میں سبق چھپا ہوتا ہے۔میری طاقت سے انسان نئے تجربات کے لیے تیار ہوتا ہے، اپنے خوابوں کی طرف آگے بڑھتا ہے، اور کسی بھی خوف یا شکوک کے بغیر قدم بڑھاتا ہے۔میں دل اور دماغ کو مضبوط کرتا ہوں، انسان کی شخصیت کو پروان چڑھاتا ہوں، اور ہر موقع پر ثابت قدم رہنے کی ہمت دیتا ہوں۔"

اس کی آواز میں توانائی اور یقین کی چمک تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں حوصلہ اور خوداعتمادی پیدا کر رہی تھی۔

عقیل خاقان نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے معتمد خان! تو انسان کے دل و دماغ کو مضبوط اور پرعزم بناتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان کو غرور اور حد سے زیادہ خوداعتمادی میں مبتلا کر دیتا ہے۔تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات دوسروں کی رائے یا نصیحت کو نظرانداز کر دیتا، اور اپنی حدود پہچاننے میں ناکام رہتا ہے۔تو انسان کو ہمت اور یقین دیتی ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کے فیصلے کو غیر متوازن اور خطرناک بنا سکتا ہے۔اعتماد اعتدال میں فائدہ مند ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کی نرمی، سنجیدگی اور دوسروں کے ساتھ تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔"

معتمد خان نے وزیر کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی مضبوط، پرجوش موجودگی کے ساتھ ایوان میں توانائی اور یقین کی لہر بکھیر دی۔

بلیغہ رانی نے پراعتماد لہجے میں کہا:

"یہ تھا معتمد خان — ہر دل میں یقین اور ہر قدم میں ہمت پیدا کرنے والا جذبہ"!

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں بے سکونی، اضطراب، اور غیر یقینی پیدا کرتی ہے، جو ہر لمحے پر شک اور پریشانی کی لہر بھرتی ہے... خوش آمدید، مضطربہ رانی"!

مضطرب رانی ایک دبلی، تیز حرکات کرنے والی اور بے قرار ہستی کے روپ میں سامنے آئی۔اس کا لباس مدھم سرمئی، پیلا اور ہلکا نیلا تھا، جیسے آسمان پر بکھرے بے ترتیب بادل۔اس کے قدم تیز مگر غیر متوازن، جیسے وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتی۔

اس کا چہرہ پریشان، آنکھیں ادھر اُدھر گھومتی ہوئی، جیسے ہر لمحہ کسی انجان خطرے کو تلاش کر رہی ہوں۔ان آنکھوں میں ایک مسلسل سوال تھا، جس کا کوئی جواب نہیں۔

اس کے ہونٹ خشک اور بے ترتیب حرکت کرتے ہوئے، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو مگر الفاظ الجھ جاتے ہوں۔اس کے ہاتھ بار بار حرکت کرتے، کبھی ایک دوسرے میں الجھتے، کبھی ہوا میں بے مقصد لہراتے۔

اس کی سانسیں تیز اور بے ترتیب، جیسے ہر سانس کے ساتھ دل کی دھڑکن بھی تیز ہو رہی ہو۔

مضطرب رانی کبھی اس مسافر کی طرح محسوس ہوتی جو اندھیری رات میں راستہ کھو بیٹھا ہو، اور کبھی اس طالب علم کی مانند، جو امتحان کے کمرے میں سوالات کو دیکھ کر گھبرا جائے۔اس کے گرد ایک ہلچل بھری فضا تھی، جیسے سکون اس کے قریب آ کر بھی ٹھہر نہ پاتا ہو۔اس کی چال میں اضطراب تھا، جیسے وہ ایک لمحے میں کئی سمتوں میں بٹ جانا چاہتی ہو۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ بے چینی وہ کیفیت ہے جو انسان کو اندر سے بے قرار کرتی ہے، مگر اگر اسے قابو میں رکھا جائے تو یہی انسان کو محتاط اور بیدار بھی رکھ سکتی ہے۔

مضطرب رانی اسٹیج پر آ کر رکی۔اس کی آواز مدھم مگر مسلسل لہجے میں تھی:

"میں مضطرب رانی ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو خطرات، ممکنہ مسائل، اور نا معلوم حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔

میری موجودگی انسان کو محتاط بناتی ہے، اسے اپنے فیصلوں پر غور کرنے اور ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے کی ترغیب دیتی ہے۔میں انسان کے اندر ایک شعور پیدا کرتی ہوں کہ ہر لمحے ہوشیاری ضروری ہے، اور غیر متوقع حالات کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔میری طاقت انسان کو اندھی امید یا غیر سوچے سمجھے عمل سے بچاتی ہے، اور محتاط رہ کر نقصان سے محفوظ رکھتی ہے۔میں انسان کے دل و دماغ کو ہوشیار رکھتی ہوں، اور ہر ممکن خطرے کا پیشگی احساس دلاتی ہوں۔"

اس کی آواز میں ہلکی کشش اور دباؤ تھی، جو ایوان میں ہر گوشے کو چھو کر دلوں میں ہچکچاہٹ اور سوچ پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا۔

"اے مضطرب رانی! تو انسان کے لیے محتاط رہنے اور خطرات کا شعور پیدا کرنے والی ہستی ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان کے فیصلے متاثر ہو جاتے ہیں۔تیرے زیر اثر انسان بعض اوقات ہر کام میں شک اور ہچکچاہٹ محسوس کرتا، موقع

ضائع کرتا، اور زندگی کے خوشیوں اور چیلنجز سے دور رہ جاتا ہے۔ تو انسان کو ہوشیار اور محتاط بناتی ہے، مگر حد سے زیادہ اثر غیر ضروری خوف، دباؤ، اور غیر مستحکم مزاج پیدا کر سکتا ہے۔ تیری شدت انسان کے دل و دماغ میں عدم اعتماد پیدا کر سکتی ہے، اور انسان کی ترقی، حوصلہ اور خود اعتمادی کو متاثر کر سکتی ہے۔"

وزیر کی بات میں حقیقت پسندی اور توازن تھا، جو بے چینی کی خوبیوں اور حد سے زیادہ اثرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

مضطربہ رانی نے دماغ کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی غیر مستحکم، کانپتی ہوئی موجودگی کے ساتھ ایوان میں ہچکچاہٹ اور فکر کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے اعتماد کی روشنی میں حقیقت پسندی اور احتیاط کا توازن قائم کیا، اور دلوں میں ہر لمحے غور و فکر اور محتاط قدم اٹھانے کی ترغیب جاگ اُٹھی۔

بلیغہ رانی نے مدھم مگر اثر انگیز لہجے میں کہا:

"یہ تھی مضطربہ — انسان کے دل و دماغ میں محتاط شعور پیدا کرنے والی، مگر حد سے زیادہ ہو تو ہمت اور اعتماد کمزور کر دینے والی طاقت"!

رخسار غماز نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا۔

"خواتین و حضرات جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں حوصلہ، جرأت، اور خطرات کا سامنا کرنے کی طاقت پیدا کرتی ہے، جو خوف اور ہچکچاہٹ کو شکست دیتی ہے... خوش آمدید، جری خاقان

جری خاقان ایک جری، بلند قامت اور پُر ہیبت شخصیت کے روپ میں سامنے آیا۔ اس کا لباس سرخ، سنہری اور فولادی رنگوں کا حسین امتزاج تھا، جیسے آگ اور فولاد ایک وجود میں ڈھل گئے ہوں۔ اس کے قدم مضبوط اور گونج دار تھے، جیسے ہر قدم زمین کو یقین دلا رہا ہو کہ ڈر کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس کا چہرہ روشن اور پُر عزم، آنکھیں چمکتی ہوئی، جیسے ان میں آگ کی لپٹیں ہوں۔ ان آنکھوں میں نہ خوف تھا نہ تذبذب — صرف عزم کی روشنی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مضبوط مسکراہٹ، جو ہر خطرے کو چیلنج دیتی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ہاتھ مضبوط اور کشادہ، جیسے وہ ہر مشکل کو پکڑ کر شکست دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کی سانسیں تیز مگر منظّم، جیسے ہر سانس ایک اعلانِ جنگ ہو۔

جری کی چال میں جلال تھا، جیسے کوئی سپاہی میدانِ کارزار میں تلوار بلند کیے آگے بڑھ رہا ہو۔ کبھی وہ حضرت ابراہیمؑ کی

بے خوفی کی یاد دلاتا، جب انہوں نے آگ کے سامنے بھی حق کا ساتھ نہ چھوڑا، اور کبھی کسی شیر کی طرح دکھائی دیتا، جو جنگل میں بے دھڑک گھومتا ہے۔ اس کے گرد ایک روشن اور گرم ہالہ تھا، جو نہ صرف اسے نمایاں کرتا بلکہ دوسروں کے دلوں میں بھی جرات پیدا کرتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایسی قوت ہے جو انسان کو خوف کے اندھیروں سے نکال کر کامیابی کی روشنی تک لے جاتی ہے۔

جری اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز میں طاقت اور پختگی تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔

"میں جری خاقان ہوں! وہ جذبہ جو انسان کو خوف، مشکلات، اور غیر یقینی حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت دیتا ہے۔ میری موجودگی انسان کے دل و دماغ میں جرأت، پختہ ارادہ، اور خطرات کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرتی ہے۔ میں انسان کو یہ سکھاتا ہوں کہ ہر خوف کو شکست دینا ممکن ہے، اور ہر چیلنج میں ایک موقع چھپا ہوتا ہے۔ میری طاقت انسان کو مضبوط بناتی ہے، اس کے ارادوں کو پختہ کرتی ہے، اور ہر قدم پر یقین اور جرأت بھرتی ہے۔ میں دل اور دماغ کو توانائی دیتا ہوں، انسان کے عزم کو پروان چڑھاتا ہوں، اور ہر مشکل کو عبور کرنے کی صلاحیت دیتا ہوں۔"

اس کی آواز میں توانائی اور عزم کی چمک تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں حوصلہ اور طاقت پیدا کر رہی تھی۔

عقیل خاقان نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے جری خاقان! تو انسان کے دل و دماغ کو مضبوط اور پرعزم بناتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان بے وقوفانہ خطرات اختیار کر سکتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات اپنے تحفظ یا دوسروں کی رائے کو نظر انداز کر دیتا، اور غیر ضروری جوا کھیل سکتا ہے۔ تو انسان کو جرأت اور طاقت دیتا ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کی سوچ اور محتاط رویے کو متاثر کر سکتا ہے۔ حوصلہ اعتدال میں فائدہ مند ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کے فیصلے خطرناک ہو سکتے ہیں، اور دوسروں کے تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔"

جری خاقان نیوزیر کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی مضبوط، پُرجوش موجودگی کے ساتھ ایوان میں طاقت اور جرأت کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے بے چینی کی ہچکچاہٹ کو پس پشت دھکیل دیا، اعتماد کی روشنی کے ساتھ توازن قائم کیا، اور دلوں میں ہر قدم پر یقین اور حوصلے کی لہر جاگ اُٹھی۔

رخسار غماز نے پرجوش لہجے میں کہا:

"یہ تھا جری خاقان — انسان کے دل و دماغ میں جرأت، طاقت اور خطرات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرنے والا جذبہ"!

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں حد سے زیادہ فخر، خود پسندی اور خوداعتمادی پیدا کرتی ہے، جو کبھی کبھی دوسروں کی رائے کو نظر انداز کر دیتی ہے... خوش آمدید، مغرور الدولہ"!

جب مغرور الدولہ ایوان میں داخل ہوا تو فضا میں ایک بھاری، گرم اور غالبانہ کیفیت چھا گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے سورج اپنی روشنی سے سب کچھ اپنی گرفت میں لے رہا ہو۔

مغرور الدولہ ایک بلند قامت، طاقتور اور بھاری وجود کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ اس کا لباس سنہری، گہرے سرخ اور سیاہ رنگوں کا ایسا امتزاج تھا، جیسے آسمان کی روشنی اور آگ کی حرارت اس میں جمع ہو گئی ہو۔ اس کے قدم پُرعزم اور گونج دار تھے، جیسے زمین ہر قدم پر سر جھکائے۔ اس کا چہرہ روشن مگر تکبر سے بھرپور، آنکھیں تیز اور بلند، جیسے وہ ہر طرف کی کمزوری کو دیکھ کر اپنی برتری محسوس کر رہا ہو۔ ہونٹ سخت، اور کبھی کبھار ہلکی سی مسکراہٹ، جو غرور کی علامت تھی۔ اس کے ہاتھ مضبوط، کبھی زمین کو چھو کر خود کو بلند کرنے کا اشارہ دے رہے، اور کبھی فضا میں جیسے سب کو نظر انداز کر رہے ہوں۔ اس کی سانسیں بھاری، پُرزور اور غالب، جیسے ہر سانس میں اپنی حیثیت کا اعلان ہو رہا ہو۔

اس کی چال میں عزم اور غالبیت تھی، جیسے کوئی بادشاہ میدان میں سب پر حکمرانی کر رہا ہو۔ کبھی وہ حضرت فرعون کی طرز کی خود پسندی کی یاد دلاتا، جو اپنی طاقت پر غرور کر رہا ہو، اور کبھی کسی بلند پرواز عقاب کی طرح، جو زمین کے ہر جاندار سے خود کو بلند جانتا ہو۔ اس کے گرد ایک چمکتی ہوئی ہالہ تھی، مگر یہ روشنی دوسروں کے لیے چھینٹ یا دھندلا پن پیدا کرتی، نہ کہ سکون۔

مغرور الدولہ اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز میں طاقت، بھاری پن اور خوداعتمادی تھی، جو سننے والے کے دل میں فوراً اثر ڈال رہی تھی۔

"میں مغرور الدولہ ہوں... وہ جذبہ جو انسان کو اپنی صلاحیتوں، کامیابیوں، اور اہمیت کا احساس دلاتا ہوں۔

میری موجودگی انسان کو اپنی طاقت اور کامیابی پر یقین دیتی ہے، اسے بلند حوصلہ اور ارادے کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت دیتی ہے۔

میں انسان کے دل و دماغ میں خوداعتمادی پیدا کرتی ہوں، اور اسے اپنی قدر اور مقام سمجھنے کی توانائی دیتی ہوں۔ میری

طاقت سے انسان اپنی قابلیت پر بھروسہ کرتا ہے، بڑے کام انجام دیتا ہے، اور اپنی شخصیت کو مضبوط بناتا ہے۔ میں انسان کو فخر اور عزت کا شعور دیتی ہوں، اور ہر کامیابی کو اپنی محنت کا نتیجہ سمجھنے کی ترغیب دیتی ہوں۔"

اس کی آواز میں طاقت اور چمک تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں خود اعتمادی اور فخر پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا۔

"اے مغرور الدولہ! تو انسان کے دل و دماغ میں خود اعتمادی اور طاقت پیدا کرتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان دوسروں کی رائے، محبت اور ہمدردی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا، اور اپنی غلطیوں کو نہیں دیکھ پاتا۔ تو انسان کو فخر اور عزت کا شعور دیتا ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کے تعلقات، سنجیدگی، اور اخلاق پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔ تیری شدت انسان کے دل و دماغ کو سخت، خود غرض، اور بعض اوقات تنہا کر دیتی ہے، اور سماجی تعلقات میں فاصلہ پیدا کرتی ہے۔"

مغرور الدولہ نے عقیل خاقان کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی بھاری، چمکتی ہوئی موجودگی کے ساتھ ایوان میں خود پسندی اور فخر کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے حوصلہ کی روشن روشنی میں حد سے زیادہ فخر کا اثر دکھایا، اور دلوں میں خود اعتمادی اور احتیاط کے درمیان توازن کی ضرورت جاگ اُٹھی۔

بلیغہ رانی نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"یہ تھا مغرور الدولہ — انسان کے دل و دماغ میں خود اعتمادی پیدا کرنے والا، مگر حد سے زیادہ ہو تو تعلقات اور اخلاق پر اثر ڈالنے والا جذبہ"!

"خواتین و حضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں سکون، اطمینان اور داخلی توازن پیدا کا باعث ہے۔ جو ہجوم، ہچکچاہٹ اور پریشانی کے بادلوں کو دور کر دے...

خوش آمدید، تسکین شہزاد "

جب تسکین شہزادا ایوانِ وجود میں داخل ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے صبح کی نرم روشنی کسی پرانے درخت کی چھاؤں میں اتر آئی ہو، اور فضا میں سب کچھ تھم گیا ہو۔ ہر طرف خاموشی، توازن اور نرم لہر محسوس کی گئی، جیسے ہوا بھی اس کی موجودگی میں خاموش ہو گئی ہو۔

تسکین شہزادا ایک نرم، لطیف اور متوازن ہستی کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ اس کا لباس ہلکے آسمانی، سفید اور سبز رنگوں کا

ایسا امتزاج تھا، جیسے زمین اور آسمان کے درمیان کوئی پل باندھ دیا گیا ہو۔ اس کے قدم آہستہ، پُروقار اور ناپے ہوئے تھے، جیسے ہر قدم زمین کو استحکام دے رہا ہو۔ اس کا چہرہ پُرسکون، آنکھیں نیم وا اور نرم، جیسے کسی نے دریا کی سطح پر پڑی ہوئی ہلکی ہوا کی عکاسی دیکھ لی ہو۔ ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ، جو دل کی گہرائیوں سے پیدا ہوئی ہو۔ اس کے ہاتھ کھلے اور نرم، جیسے وہ ہر چیز کو اپنی آغوش میں لے لے۔ اس کی سانسیں ہموار اور مدھم، جیسے کسی شاعر کی نظم کی لکیریں جو پڑھنے والے کے دل کو سکون دے رہی ہوں۔

اس کی چال میں نرمی تھی، جیسے وہ بغیر کسی ہلچل کے دنیا میں اپنے وجود کا اثر چھوڑ رہی ہو۔ کبھی وہ صوفی کے مراقبے کی طرح محسوس ہوتی، جو دنیا کی ہنگامہ خیزی سے دور، دل میں سکون پال رہا ہو، اور کبھی کسی جھیل کی مانند، جس کی سطح پر ایک ہی وقت میں چین اور جمال دونوں موجود ہوں۔ اس کے گرد ایک نرم، ہلکی روشنی کا ہالہ تھا، جو دل و دماغ کو راحت اور توازن دیتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایسی کیفیت ہے جو انسان کو اپنے وجود کی حقیقت اور زندگی کے حسن کا شعور دلاتی ہے، اور دل و دماغ کو پُرسکون کر دیتی ہے۔

تسکین شہزادا سٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز نرم، پراثر اور دل کو چھو لینے والی تھی۔

"میں تسکین شہزاد ہوں... وہ جذبہ جو انسان کے دل و دماغ میں اطمینان، ہم آہنگی اور داخلی توازن پیدا کرتا ہوں۔ میری موجودگی انسان کو اندرونی کشمکش، پریشانی اور اضطراب سے نجات دلاتی ہے، اور دل و دماغ میں توازن پیدا کرتی ہے۔ میں انسان کے دل و دماغ کو پرسکون رکھتا ہوں، اس کے خیالات کو صاف کرتا ہوں، اور اسے فیصلے کرنے کے لیے متوازن اور پُر اعتماد بناتا ہوں۔ میری طاقت سے انسان اپنی زندگی میں سکون حاصل کرتا ہے، ہر مشکل کو تحمل اور صبر کے ساتھ دیکھتا ہے، اور اپنے اندر اور دوسروں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

میں دل اور دماغ کو پرسکون رکھتا ہوں، تعلقات میں محبت اور امن کی لہر پیدا کرتا ہوں، اور ہر لمحے کو پرسکون بنانے کی توانائی دیتا ہوں۔"

اس کی آواز میں نرم روشنی اور توازن کی چمک تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں امن، اطمینان اور سکون پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے تسکین شہزاد! تو انسان کے دل و دماغ میں اطمینان اور داخلی توازن پیدا کرتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو

انسان غیر فعال یا کم توجہ ہوسکتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات ہر خطرے یا چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ہمت کھو دیتا، اور بعض مواقع ضائع کر دیتا ہے۔تو انسان کو سکون اور ہم آہنگی دیتا ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کی تحریک، توانائی اور حوصلے کو کمزور کر سکتا ہے۔ سکون اعتدال میں فائدہ مند ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کے فیصلے سست اور زندگی کی سرگرمیاں متاثر ہو سکتی ہیں۔"

عقیل خاقان کی بات حقیقت پسندی اور توازن سے بھری تھی، جو سکون کی خوبیوں اور حد سے زیادہ اثرات دونوں کو واضح کر رہی تھی۔

تسکین شہزاد نے عقیل خاقان کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی نرم، مدھم روشنی کے ساتھ ایوان میں اطمینان اور ہم آہنگی کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے غرور اور بے چینی کے بھاری سایہ کو نرم کر دیا، دل و دماغ میں توازن قائم کیا، اور ہر قدم پر پرسکون سوچ اور امن کی لہر جاگ اُٹھی۔

بلیغہ رانی نے نرم مگر دلکش لہجے میں کہا۔

"یہ تھا تسکین شہزاد — انسان کے دل و دماغ میں اطمینان، امن، اور داخلی ہم آہنگی پیدا کرنے والا جذبہ"!

رخسار غماز نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا۔

"اب باری ہے ایک شخصیت کی، جو سکون کے بعد دلوں میں جوش اور توانائی بھر دے"...

"خواتین وحضراتِ جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں توانائی، شوق اور زندگی کے ہر لمحے میں جوش پیدا کرتی ہے، جو ہر کام میں دلچسپی اور لگن بھرتی ہے...

خوش آمدید، خروش اختر"!

خروش اختر ایوانِ وجود میں داخل ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے بہار نے یکا یک خزاں کے سوکھے پتوں میں نئی زندگی پھونک دی ہو۔ فضا میں ایک ولولہ، ایک تیزی اور ایک گرم جوشی کی لہر دوڑ گئی، جیسے ہر شے حرکت میں آ گئی ہو۔ خروش اختر ایک نوجوان، پُرعزم اور روشنی سے بھرپور شخصیت کے روپ میں سامنے آیا۔ اس کا قد بلند مگر لچکدار، جیسے ہوا کے ساتھ جھومتا ہوا درخت۔ اس کا لباس شوخ سرخ، سنہری اور نارنجی رنگوں کا ایسا امتزاج تھا، جیسے شعلہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جل رہا ہو۔ اس کے کپڑوں میں ہلکی سی جنبش تھی، گویا وہ خود بھی اس کے اندر کی بے قراری کا آئینہ ہوں۔

اس کا چہرہ چمکتا ہوا، آنکھیں چنگاریوں کی مانند روشن، جیسے ان میں ہزاروں خواب ایک ساتھ پل رہے ہوں۔ ان

آنکھوں میں ایک بے ساختہ چمک تھی، جیسے کوئی مسافر منزل کو دیکھ کر دوڑنے لگے۔ ہونٹوں پر ایک پُر جوش مسکراہٹ، جو ہر لمحہ ایک نئے آغاز کا اعلان کرتی تھی۔ اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں، جیسے وہ ہر خیال کو فوراً عمل میں بدل دینا چاہتا ہو۔ اس کی سانسیں تیز اور گرم، جیسے ہر سانس میں ایک نئی توانائی چھپی ہو۔

خروش اختر کی چال تیز، پرجوش اور بے لگام تھی، جیسے کوئی گھوڑا میدان میں دوڑتا ہوا ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ کبھی وہ کسی انقلابی نوجوان کی طرح محسوس ہوتا، جو دنیا بدلنے کا عزم رکھتا ہو، اور کبھی کسی شاعر کی طرح، جس کے الفاظ دلوں میں آگ لگا دیں۔ اس کے گرد ایک روشن اور گرم ہالہ تھا، جو دوسروں کو بھی متحرک کر دیتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جوش وہ چنگاری ہے جو انسان کو جمود سے نکال کر حرکت، تخلیق اور کامیابی کی طرف لے جاتی ہے — مگر اگر بے قابو ہو جائے تو یہی آگ سب کچھ جلا بھی سکتی ہے۔

خروش اختر اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔ اس کی آواز بلند، پراثر اور دل کو چھو لینے والی تھی۔

"میں خروش اختر ہوں... وہ جذبہ جو انسان کے دل و دماغ میں توانائی، لگن اور شوق پیدا کرتا ہوں۔ میری موجودگی انسان کو ہر کام میں دلچسپی، جدوجہد، اور مثبت رویہ دیتی ہے۔ میں انسان کے دل و دماغ کو متحرک رکھتی ہوں، اسے نئے تجربات کے لیے پرجوش بناتی ہوں، اور ہر لمحے میں زندگی کا لطف لینے کی ترغیب دیتی ہوں۔ میری طاقت سے انسان ہر کام میں دل و دماغ لگا کر محنت کرتا ہے، اپنے خوابوں کی طرف بڑھتا ہے، اور ناکامیوں سے بھی سبق سیکھ کر آگے بڑھتا ہے۔ میں دل اور دماغ کو توانائی دیتی ہوں، انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بڑھاتی ہوں، اور ہر لمحے میں جوش اور امید پیدا کرتی ہوں۔" اس کی آواز میں توانائی، حرارت اور جوش کی چمک تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں زندگی، لگن اور جوش پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا:

"اے خروش اختر! تو انسان کے دل و دماغ میں توانائی اور شوق پیدا کرتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان غیر محتاط یا بے پرواہ ہو سکتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات ہر کام میں جلد بازی یا غیر ضروری حرکات کر سکتا ہے، اور بعض مواقع میں توازن کھو دیتا ہے۔ تو انسان کو شوق اور لگن دیتا ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کے فیصلے اور تحمل کو متاثر کر سکتا ہے۔ جوش اعتدال میں فائدہ مند ہے، مگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کی سوچ اور محتاط رویے پر اثر ڈال سکتا ہے، اور غیر ضروری خطرات یا ناکامی کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔"

خروش اختر نے عقیل خاقان کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی روشن، متحرک اور پرجوش موجودگی کے ساتھ ایوان میں توانائی، لگن اور جوش کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے سکون کی مدھم روشنی کے بعد ایوان میں تازگی اور تحریک پیدا کی، دل و دماغ میں توانائی اور زندگی کی خوشبو بکھیر دی، اور ہر قدم پر حوصلہ اور شوق جاگ اُٹھا۔

بلیغہ رانی نے بلند اور پرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ تھا خروش اختر — انسان کے دل و دماغ میں توانائی، لگن اور زندگی کے ہر لمحے میں شوق پیدا کرنے والا جذبہ"!

اور خواتین و حضرات جذبات! اب ہم مدعو کر رہے ہیں وہ ہستی جو انسان کے دل و دماغ میں لالچ، خواہش اور حد سے زیادہ طلب پیدا کرتی ہے، جو کبھی کبھی انسان کی فطرت اور توازن کو پرکھتی ہے...

خوش آمدید، حریص الملک"!

حریص الملک ایوان میں داخل ہوا تو فضا میں ایک بھاری، چپچپی اور دبی ہوئی حرارت پھیل گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اندھیرا سایہ روشنی کو نگلنے کے لیے بڑھ رہا ہو۔

حریص الملک ایک درمیانے قد مگر جھکے ہوئے وجود کے ساتھ سامنے آیا، جیسے وہ ہر وقت کچھ سمیٹنے کے لیے جھکا رہتا ہو۔ اس کا لباس گہرے سبز، سیاہ اور سنہری رنگوں کا تھا، مگر اس میں ایک چمک کے ساتھ ایک عجیب سی گندگی بھی محسوس ہوتی تھی، جیسے خزانے پر گرد جم گئی ہو۔ اس کا چہرہ تیز مگر بے چین، آنکھیں چمکتی ہوئی مگر لالچ سے بھری، جیسے ہر چیز کو اپنے قبضے میں لے لینا چاہتی ہوں۔ ان آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو سکون نہیں دیتی بلکہ اور زیادہ چاہت پیدا کرتی ہے۔ ہونٹ باریک اور دبا ہوا مسکراہٹ لیے ہوئے، جیسے وہ ہر وقت کوئی نیا فائدہ سوچ رہا ہو۔ اس کے ہاتھ لمبے اور پھیلتے ہوئے، جیسے وہ دور کی چیزوں کو بھی اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہو۔ انگلیاں بار بار مڑتیں، جیسے کچھ پکڑنے کی عادت ہو۔ اس کی سانسیں بھاری اور بے ترتیب، جیسے ہر سانس کے ساتھ اس کی خواہشات بھی بڑھتی جا رہی ہوں۔

اس کی چال دبے پاؤں مگر مسلسل آگے بڑھتی ہوئی، جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کے قریب ہو رہا ہو۔ کبھی وہ قارون کی دولت پرستی کی تلمیح بن جاتا، جس نے خزانے کے بوجھ تلے بھی قناعت نہ سیکھی، اور کبھی کسی ایسے پیاسے کی مانند، جو سمندر پی کر بھی سیراب نہ ہو۔ اس کے گرد ایک سیاہ مائل چمک تھی، جو دیکھنے میں تو دلکش لگتی مگر اندر سے کھوکھلی محسوس ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ لالچ وہ بے انت خواہش ہے جو انسان کو کبھی مطمئن نہیں ہونے دیتی، اور اسے دوسروں کے حق تک ہڑپ کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے — یہ ایک ایسا خلا ہے جو جتنا بھرا جائے، اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔

حریص الملک اسٹیج پر آ کر کھڑا ہوا۔اس کی آواز نرم مگر اثر انگیز، اور کشش سے بھرپور تھی:

"میں حریص الملک ہوں... وہ جذبہ جو انسان کے دل و دماغ میں طلب، خواہش اور ترقی کی لگن پیدا کرتا ہوں۔ میری موجودگی انسان کو زیادہ حاصل کرنے، ترقی کرنے اور اپنی فطرت کی حدود کو پار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ میں انسان کے دل و دماغ میں جدوجہد اور محرک پیدا کرتا ہوں، اسے اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے اور ہر موقع سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ہمت دیتا ہوں۔ میری طاقت سے انسان زیادہ محنت کرتا ہے، اپنی زندگی میں بہتر مواقع تلاش کرتا ہے، اور ترقی کی راہوں پر قدم بڑھاتا ہے۔ میں انسان کو اپنے خوابوں کے حصول کے لیے سرگرم رکھتا ہوں، اور ہر لمحے میں جستجو اور طلب پیدا کرتا ہوں۔"

اس کی آواز میں کشش اور شدت تھی، جو ایوان کے ہر گوشے تک پہنچ کر دلوں میں خواہش، طلب اور محرک پیدا کر رہی تھی۔

وزیر نے قدم بڑھایا اور دھیرے سے کہا۔

"اے حریص الملک! تو انسان کے دل و دماغ میں طلب اور ترقی کی توانائی پیدا کرتا ہے، مگر حد سے زیادہ ہو جائے تو انسان خود غرض اور غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ تیرے زیرِ اثر انسان بعض اوقات دوسروں کے حقوق اور اخلاقیات کو نظر انداز کر دیتا، اور اپنی حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو انسان کو جدوجہد اور ترقی کی تحریک دیتا ہے، مگر حد سے زیادہ اثر انسان کی شخصیت، تعلقات اور سکون کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تیری شدت انسان کے دل و دماغ میں لالچ اور غیر ضروری خواہش پیدا کرتی ہے، اور زندگی کی سادگی اور سکون کو متاثر کر سکتی ہے۔"

حریص الملک نے عقیل خاقان کی بات خاموشی سے سنی، اور اپنی بھاری، چمکتی ہوئی اور کشش سے بھرپور موجودگی کے ساتھ ایوان میں طلب اور خواہش کی لہر بکھیر دی۔ اس کی موجودگی نے جوش کی توانائی میں ایک نئی شدت پیدا کی، اور دل و دماغ میں ضرورت اور حد سے زیادہ طلب کے درمیان توازن کی اہمیت اجاگر کی۔

بلیغہ رانی نے دھیرے مگر اثر انگیز لہجے میں کہا۔

"یہ تھا حریص الملک — انسان کے دل و دماغ میں طلب، خواہش اور ترقی کی تحریک پیدا کرنے والا، مگر حد سے زیادہ ہو تو نقصان دہ جذبہ"!

جب عقیل خاقان نے ہر جذبے پر اپنے میزانِ خرد سے تولے ہوئے تبصرے کی مہر ثبت کر دی، اور ابھی شہنشاہِ

دل، قلب الدولہ، اپنے فیصلہ آخر کے لیے مسندِ اقتدار سے اٹھنے ہی والے تھے کہ محفل کے سکوت میں ایک انجانا ارتعاش لہرانے لگا۔ جذبات، جواب تک ایک دوسرے کے دعوے اور وزیرِ عقل کی تردیدیں خاموشی سے سنتے آئے تھے، بیقرار ہونے لگے۔ وہ اس دربار میں صرف عقل کی ترازو پر تولے جانے کے لیے نہیں آئے تھے؛ وہ ایک دوسرے کے مقابل آنا چاہتے تھے، اپنے حریفوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی برتری ثابت کرنا چاہتے تھے—صرف تختِ دل کے سامنے نہیں بلکہ کائناتِ وجود کی پوری انجمن کے روبرو۔

بلیغہ رانی نے فضا کی اس تبدیلی کو بھانپ لیا۔ وہ آگے بڑھی اور اعلان کیا:

"جہاں پناہ، شہنشاہ قلب الدولہ! جذبات ایک نئی کارروائی کے خواستگار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کے حتمی فیصلے سے پہلے انہیں صرف وزیر سے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہونے دیا جائے۔ وہ مناظرہ چاہتے ہیں، تصادم چاہتے ہیں، دوبدو آزمائش چاہتے ہیں۔ وہ اپنی قدر عقل کی آنکھ سے ہی نہیں بلکہ باہمی کشمکش کی آگ میں بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔"

قلب الدولہ نے آہستگی سے سر جھکایا، جیسے کوئی کوہسار سوچ رہا ہو کہ برفانی تودے کو اترنے کی اجازت دے یا نہیں۔ اس کے لبوں پر ایک ہلکی مسکراہٹ ابھری—وہی مسکراہٹ جو ضرورت کے مطابق رحمت بھی ہو سکتی تھی اور ہیبت بھی۔

"ایسا ہی سہی،" اس نے کہا۔ "انہیں بولنے دو، انہیں ٹکرانے دو۔ مگر یاد رہے—یہ سچائی کی عدالت ہے، شورش کا میدان نہیں۔"

عقیل خاقان نے اپنے متوازن لہجے میں اضافہ کیا:

"میں خاموش رہوں گا۔ انہیں ایک دوسرے کے آئینے میں خود کو پہچاننے دو۔ دل سب سے بہتر اسی وقت سنتا ہے جب عقل اپنی زبان بند کر لے۔"

یوں مجلسِ نزاع کا آغاز ہوا۔

غصیل شان سب سے پہلے اٹھا۔

غصیل شان، جس کا سرخ لباس ابھی بھی عقیل خاقان کے ساتھ گفتگو کے بعد دہکتے انگاروں کی مانند سلگ رہا

تھا، اپنی نشست سے اٹھا۔اس کی نگاہیں محفل پر یوں پھریں جیسے شعلے ایندھن تلاش کر رہے ہوں۔

"میں نے وزیر کی باتیں سن لی ہیں،" وہ غرایا، "اور اس سچ کو تسلیم بھی کیا ہے کہ بے لگام رہوں تو گھر جلا سکتا ہوں۔مگر اب میں تم سے مخاطب ہوں، اے جذبات کے قافلے! بتاؤ، اے نفرین شہزادی! میرے غیظ کی آگ کے بغیر تم کیا ہو؟ تمہاری نفرت تو ایک مردہ جھیل ہے— منجمد، بے حرکت، بے جان۔ میں وہ بھٹی ہوں جو تمہاری برف کو معنی دیتی ہے۔میرے بغیر تمہاری دوریاں محض بے رخی ہیں، نفرت نہیں۔میرے بغیر تمہاری حدیں صرف دیواریں ہیں، قلعے نہیں۔"

نفرین شہزادی کی سرد آنکھیں چاندنی میں لٹکتے برفیلے خنجروں کی طرح چمکیں۔

"تم خود کو بہت بڑھا چڑھا کر دیکھتے ہو، غصیل شان۔میری نفرت کو زندہ رہنے کے لیے کسی آگ کی حاجت نہیں۔ میں وہ سردی ہوں جو دل کو اندر سے جما دیتی ہے— آہستہ، صابر، ابدی۔تمہارا غصہ ایک الاؤ ہے، بھڑکتا ہے اور بجھ جاتا ہے۔ میں وہ پالا ہوں جو کبھی نہیں پگھلتا۔تم لمحے میں تباہ کرتے ہو، میں صدیوں میں گھلا دیتی ہوں۔زیادہ خوفناک کیا ہے؟ وہ تلوار جو ایک ہی وار میں مار دے، یا وہ زہر جو برسوں رگوں میں خاموشی سے بہتا رہے؟"

غصیل شان کے شعلے بھڑک اٹھے۔

" کم از کم میں منافق نہیں! میں اپنی آمد کا اعلان کرتا ہوں، گرجتا ہوں، خبردار کرتا ہوں۔تم سایے کی طرح دبے پاؤں آتی ہو، اور پھر ایک دن دل جاگتا ہے تو خود کو اندر سے کھوکھلا پاتا ہے۔"

" کھوکھلا دل،" نفرین شہزادی نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا، "پھر بھی دل ہوتا ہے۔جلا ہوا دل صرف راکھ رہ جاتا ہے۔"

اسی لمحے حبہ خاتون اٹھی۔ان کے گلابی اور سنہری لباس بادلوں سے پھوٹتی صبح کی کرنوں کی مانند جگمگا رہے تھے۔ اس کی آواز نرم تھی مگر اس کی رسائی ہر چیخ سے کہیں زیادہ تھی۔

"تم دونوں تباہی کی بات کرتے ہو۔مگر یہ بتاؤ— وہ قلعہ کس کام کا جس میں کوئی بستا ہی نہ ہو؟ وہ سردی کس کام کی جس کے بعد بہار نہ آئے؟ میں وہ موسم ہوں جو تم دونوں کے بعد آتا ہے۔اے غصیل شان! میں وہ

حرارت ہوں جو تمہاری برف پگھلاتی ہے۔اے نفرین شہزادی! میں وہ بارش ہوں جو تمہاری آگ بجھاتی ہے۔ میرے بغیر تمہارا غصہ اور نفرت دونوں خالی ہیں—وہ نہ کسی چیز کا دفاع کرتے ہیں، نہ کسی قابلِ تباہی شے کو تباہ کرتے ہیں۔"

حسود الملک، جو سائے میں بیٹھا تھا اور جس کے سبز و سیاہ لباس تاریکی میں مدغم ہو رہے تھے، بغیر اٹھے بولا:

"تم محبت کو گویا ہر مسئلے کا جواب سمجھتی ہو۔مگر میں نے محبت کے ہاتھوں تباہ ہوتے لوگ دیکھے ہیں۔عاشقوں کو خود کو مٹاتے دیکھا ہے۔ ماؤں کو تمہارے نام پر اپنے بچوں کی قربانی دیتے دیکھا ہے۔بادشاہوں کو تمہارے لیے جنگیں چھیڑتے دیکھا ہے۔تم مرہم نہیں حبہ خاتون—تم بخار ہو۔اور میں وہ سرد لہر ہوں جو بخار کے بعد آتی ہے۔"

حبہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا۔ان کی آنکھوں میں غصہ نہیں، ایک گہرا ملال تھا۔

"تم زخم کو خنجر سمجھ بیٹھے ہو، حسود الملک۔محبت تباہ نہیں کرتی؛ افراط تباہ کرتی ہے، جنون تباہ کرتا ہے۔اور تم، جو دوسروں کی خوشیوں کے زہر سے اپنی غذا لیتے ہو، محبت کی اصل فطرت سے ناآشنا ہو۔تم پھول کو دیکھ کر روتے ہو کہ وہ تمہارا کیوں نہیں؛ میں پھول کو دیکھ کر خوش ہوتی ہوں کہ وہ کہیں تو کھلا۔"

اچانک مسرت رانی ہنس پڑی—ایک ایسی ہنسی جیسے خاموش گرجا میں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔کمرے کا تناؤ بہار میں ٹوٹتی برف کی مانند چٹخ گیا۔

"تم سب کتنے سنجیدہ ہو"! وہ اچھل کر کھڑی ہوئی۔"غصیل شان عمارتیں جلاتا ہے، نفرین شہزادی دل جما دیتی ہے، حبہ خاتون روحوں کو آنسوؤں میں ڈبو دیتی ہے، اور حسود الملک ہر جشن میں زہر گھول دیتا ہے۔مگر میں—میں زندگی کو جینے کے قابل بناتی ہوں! میرے بغیر تمہارا غصہ کھوکھلی گرج ہے، تمہاری نفرت بے معنی سردی، تمہاری محبت بے لذت فرض، اور تمہارا حسد بے امید مشقت۔انسان صبح صرف محبت یا انتقام کے لیے نہیں جاگتا—وہ اس سادہ، احمقانہ، شاندار خوشی کے لیے جاگتا ہے کہ وہ زندہ ہے"!

سکون الدولہ، جس کے لباس میں شام کی خاموشی بسی ہوئی تھی، دھیرے سے بولا:

"خوشی ایک مہمان ہے، مسرت رانی۔وہ اپنی مرضی سے آتی جاتی ہے۔مگر میں باقی رہتا ہوں۔میں موسیقی کے

بعد کا سکوت ہوں، سروں کے درمیان کا وقفہ۔ میرے بغیر تمہاری خوشی خود کو جلا ڈالتی ہے۔ تم بھڑکتی ہو اور بجھ جاتی ہو۔ میں وہ آتش دان ہوں جہاں آگ آرام کرتی ہے۔"

"اور آتش دان آگ کے بغیر خالی ہے،" مسرت رانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ ایک حسین مگر ویران کمرہ ہو، سکون الدولہ۔ لذت کے بغیر سکون صرف بے حسی ہے۔ میں وہ سرشاری ہوں جو سکون کو قیمتی بناتی ہے۔"

مخدوش آغا، جواب تک طوفان سے پہلے کانپتے پتے کی طرح گوشہ محفل میں لرز رہا تھا، نہایت مدھم آواز میں بولا، ایسی آواز کہ سب کو جھک کر سننا پڑا۔

"تم مجھے خوف کہتے ہو۔ کمزوری کہتے ہو۔ مگر میرے بغیر تم میں سے کوئی اتنی دیر زندہ نہ رہتا کہ کچھ محسوس بھی کر سکے۔ میں وہ احتیاط ہوں جو ہرن کو شیر کے جبڑوں سے بچاتی ہے۔ میں وہ خطرے کی گھنٹی ہوں جو سونے والے کو آگ دروازے تک پہنچنے سے پہلے جگا دیتی ہے۔ میں وہ ماں کا ہاتھ ہوں جو بچے کو کھائی کے کنارے سے پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ میرے بغیر، اے غصیل شان، تمہارا غصہ نیزوں کی دیواروں میں جا گھسے گا۔ میرے بغیر، اے حبہ خاتون، تمہاری محبت بھیڑیوں کو گلے لگا لے گی۔ اور میرے بغیر، اے مسرت رانی، تمہاری محفلیں قبروں پر رقص کریں گی۔"

امل خانم اٹھیں۔ اس کا ہلکا سبز لباس نوخیز پتوں کی طرح جھلملا رہا تھا۔

"تم حفاظت کی بات کرتے ہو، مخدوش آغا۔ مگر میں نے تمہاری دوسری صورت بھی دیکھی ہے۔ وہ احتیاط جو بچاتی ہے، کبھی قید خانہ بن جاتی ہے۔ وہ خطرے کی صدا جو جگاتی ہے، ایک نہ ختم ہونے والا ڈراؤنا خواب بن جاتی ہے۔ میں امید ہوں — اور امید خوف کا انکار نہیں بلکہ اس کے پار گزرنے کی جراءت ہے۔ میرے بغیر تمہارا خوف پنجرہ ہے؛ میرے ساتھ وہ دروازہ بن جاتا ہے۔"

مخدوش آغا اور زیادہ لرز اٹھا۔

"اور جب امید ناکام ہو جائے تو؟ جب دروازہ کھل کر ایک کھائی پر جا نکلے تو؟"

"تب،" گہرے سیاہ لباس میں ملبوس قنوطہ خاتون اپنی نشست سے اٹھتی ہوئی بولی، "تب میں موجود ہوتی

ہوں۔ میں اس کھائی کی تہہ ہوں۔ میں وہ سچ ہوں جس سے امید نظریں چرا لیتی ہے۔ میں وہ آواز ہوں جو کہتی ہے: تم گر چکے ہو، اور اب کوئی سیڑھی نہیں۔ میرے بغیر امید فریب بن جاتی ہے۔ میں زمین ہوں۔ میں حقیقت ہوں۔"

شاکرہ بی بی، اپنے سنہری اور خاکی لباس میں، فجر کی دعا جیسی آواز میں بولی:

"تم سب ضروری بھی ہو اور خطرناک بھی۔ مگر میں — میں توازن ہوں۔ میں وہ خوشی ہوں جسے جشن کی ضرورت نہیں۔ وہ سکون ہوں جسے خاموشی درکار نہیں۔ وہ امید ہوں جو تکمیل کی محتاج نہیں۔ میں وہ شکر ہوں جو باقی رہ جانے والی چیزوں کو دیکھتا ہے، کھو جانے والی چیزوں کو نہیں۔ تم چڑھنے، جلنے، جمنے اور ڈرنے کی بات کرتے ہو؛ میں صرف سانس لینے کی بات کرتی ہوں۔ محض سانس لینے کی۔ اور اسے کافی سمجھنے کی۔"

معتمد خان اپنی پوری قامت کے ساتھ اٹھا۔ اس کا نیلا اور سنہری لباس دوپہر کے آسمان کی طرح چمک رہا تھا۔

"کافی؟

'کافی' ان لوگوں کا لفظ ہے جنہوں نے جستجو چھوڑ دی ہو۔ میں مزید کی بھوک ہوں۔ میں قناعت سے انکار ہوں۔ میں وہ ہاتھ ہوں جو ناممکن ستارے کی طرف بڑھتا ہے۔ میرے بغیر انسان اب بھی غاروں میں رہتا۔ میرے بغیر نہ اہرام ہوتے، نہ قطب نما، نہ پرواز، نہ امراض کا علاج۔ میں وہ مقدس بے چینی ہوں جو تہذیب کو آگے دھکیلتی ہے۔ تمہاری تسکین، شاکرہ بی بی، ایک آرام دہ قبر ہے۔ اور میں وہ بے قرار روح ہوں جو لیٹنے سے انکار کرتی ہے۔"

مضطربہ رانی، جس کا سرمئی اور زرد لباس اس کی مسلسل جنبش کے ساتھ پھڑ پھڑا رہا تھا، بول اٹھی:

"اور تمہاری یہی بے چینی، معتمد خان، طاعون سے زیادہ انسانوں کو نگل چکی ہے۔ میں وہ اضطراب ہوں جو پوچھتا ہے: اگر؟ اگر ستارہ بہت دور ہو؟ اگر غار زیادہ محفوظ ہو؟ اگر قیمت حد سے زیادہ ہو؟ میں تمہارے تیز رتھ کی لگام ہوں۔ میرے بغیر تم ہر کھائی میں گر جاؤ گے۔"

"میں چڑھتے ہوئے مرنا پسند کروں گا،" معتمد خان نے اعلان کیا، "بجائے اس کے کہ بیٹھے بیٹھے زندہ رہوں۔"

"تب تم مر جاؤ گے،" مضطرب رانی نے کہا، "اور میں باقی رہوں گی۔ کیونکہ میں وہ آواز ہوں جو دوسروں کو زندہ رکھتی ہے۔"

افسردہ شہزادی، جس کے لباس میں شام کی بارش کی اداسی بسی ہوئی تھی، سر اٹھائے بغیر بولی:

"تم زندگی اور موت، عروج و زوال پر جھگڑتے ہو۔ مگر میں — میں وہ ہوں جو یاد رکھتی ہوں۔ جب آگ راکھ بن جائے، جب برف پگھل جائے، جب خوشی ماند پڑ جائے، جب خوف گزر جائے، جب امید کامیاب ہو یا ناکام — میں باقی رہتی ہوں۔ میں گزری ہوئی چیزوں کی بازگشت ہوں۔ میں کھو جانے کا درد ہوں۔ میں اس چیز کی مٹھاس ہوں جو کبھی واپس نہیں آ سکتی۔ میرے بغیر تمہاری فتوحات سطحی اور تمہاری شکستیں بے معنی ہیں۔ میں تم سب کو گہرائی دیتی ہوں۔"

تب شفیقہ خاتون اٹھی۔ اس کا ہلکا نیلا اور نرم گلابی لباس کسی شفاف ندی کی مانند بہہ رہا تھا۔

" گہرائی، اگر ربط نہ ہو، تو صرف ڈوبنا ہے، افسردہ شہزادی۔ میں وہ ہاتھ ہوں جو تمہارے غم میں اتر کر کسی دوسرے کی طرف بڑھتا ہے۔ میں ہمدردی ہوں — صرف درد محسوس کرنا نہیں بلکہ اسے بانٹنا۔ تمہارا غم تنہائی پیدا کرتا ہے؛ میری ہمدردی رشتے بناتی ہے۔ میرے بغیر غم ایک تنہا قید خانہ ہے؛ میرے ساتھ وہ ایک پل بن جاتا ہے۔"

خجالہ بی بی، جس کس گلابی اور سرمئی لباس گویا اس کے چہرے کو بھی چھپانا چاہتا تھا، نہایت دھیمی آواز میں بولی:

"اور میں — میں وہ آواز ہوں جو کہتی ہے: تم نے غلط کیا۔ میں وہ لالی ہوں جو جھوٹ بولتے وقت چہرے پر ابھرتی ہے۔ میں وہ شرمندگی ہوں جو نگاہ جھکا دیتی ہے۔ میرے بغیر سیکھنا ممکن نہیں۔ میرے بغیر غرور بے لگام بڑھتا ہے۔ میں وہ چھوٹا، خاموش دروازہ ہوں جس سے نیکی روح میں داخل ہوتی ہے۔"

مغرور الدولہ ہنسا — اس کی ہنسی پتھر سے ٹکراتی پیتل کی مانند تھی۔

"شرمندگی؟

نیکی؟

میں غرور ہوں، اور میں کہتا ہوں کہ شرم عظمت کی دشمن ہے۔ ہر یادگار، ہر سلطنت، ہر شاہکار — سب غرور کی

کوکھ سے پیدا ہوئے۔ یہ یقین کہ 'میں کرسکتا ہوں، میں ہوں، میں کروں گا۔' میرے بغیر انسان ایک کیڑا ہے؛ میرے ساتھ وہ دیوتا بن جاتا ہے— خواہ صرف اپنی نظر میں ہی کیوں نہ ہو۔"

"اور صرف اپنی نظر میں،" تسکین شہزاد نے کہا، جس کا آسمانی اور سفید لباس گرمیوں کی صبح کی طرح پُرسکون تھا۔ "انکسار کے بغیر غرور ایک بے جڑ درخت ہے۔ کچھ عرصہ کھڑا رہتا ہے، پھر گر جاتا ہے۔ میں وہ سکون ہوں جو انسان کو اپنی اصل جگہ پہچاننے سے ملتا ہے— نہ کمتر، نہ برتر، بلکہ اپنی سچی جگہ۔ میرے بغیر تمہارا غرور بخار ہے، تمہاری امنگ جنون، تمہاری خوشی دیوانگی۔ میں مرکز ہوں، سکون کا نقطہ، وہ توازن جو تمام جذبات کو قائم رکھتا ہے۔"

خروش اختر یکایک کھڑا ہوگیا۔ اس کا سرخ و نارنجی لباس یوں دہک رہا تھا جیسے افق پر آگ لگی شام۔

"توازن؟

بقا؟

تم زندگی کو ایسے بیان کرتے ہو جیسے وہ کسی کتاب میں دبایا ہوا سوکھا پھول ہو۔ میں جذبہ ہوں! میں وہ آگ ہوں جو جلاتی بھی ہے اور تخلیق بھی کرتی ہے۔ میں وہ جنون ہوں جو نظم لکھواتا ہے، وہ دیوانگی ہوں جو شاہکار بنواتی ہے، وہ وسوسہ ہوں جو ستارے دریافت کرتا ہے۔ میرے بغیر تمہارا توازن ٹھہرا ہوا پانی ہے— اور ٹھہرا پانی زندگی نہیں اگاتا۔ میں طوفان ہوں۔ میں وہ بیج ہوں جو پھٹ کر باہر آتا ہے۔ میں وہ ولادت ہوں جو رحم کو چاک کر دیتی ہے۔"

حریص الملک، جس کا سبز و سیاہ لباس تاریک پانی پر تیرتے تیل کی طرح چمک رہا تھا، آخر میں بولا:

"اور میں وہ بھوک ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تم جذبے کی بات کرتے ہو، خروش اختر، مگر تمہارا جذبہ نظم مکمل ہوتے ہی ماند پڑ جاتا ہے، تصویر بننے کے بعد بجھ جاتا ہے، ستارہ نام پاتے ہی خاموش ہو جاتا ہے۔ میں خاموش نہیں ہوتا۔ میں مزید کی طلب ہوں— مزید نظمیں، مزید تصویریں، مزید ستارے، مزید دولت، مزید طاقت، مزید زندگی۔ میرے بغیر قناعت جمود بن جاتی ہے۔ میں وہ انجن ہوں جو کبھی نہیں رکتا۔ میں وہ خواہش ہوں جو ہر تسکین سے زیادہ دیر جیتی ہے۔"

عقیل خاقان، جواب تک خاموش تھا، آخر اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا سفید، سرمئی اور نیلا لباس گویا محفل کی تمام آگ، تمام برف، تمام شور اور تمام سکون کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے تھا۔

"تم سب بول چکے،" اس نے فرمایا، "اور تم سب نے اپنا اصل چہرہ دکھا دیا۔تم میں سے ہر ایک ضروری ہے، اور ہر ایک خطرناک بھی۔وہ آگ جو گھر کو گرم رکھتی ہے، اسے جلا بھی سکتی ہے۔وہ برف جو محفوظ رکھتی ہے، جان بھی لے سکتی ہے۔وہ خوشی جو اٹھاتی ہے، مدہوش بھی کر سکتی ہے۔وہ غم جو گہرائی دیتا ہے، غرق بھی کر سکتا ہے۔وہ امید جو حوصلہ دیتی ہے، دھوکا بھی بن سکتی ہے۔وہ مایوسی جو حقیقت دکھاتی ہے، قید بھی بن سکتی ہے۔وہ غرور جو تعمیر کرتا ہے، اندھا بھی کر سکتا ہے۔وہ شرمندگی جو اصلاح کرتی ہے، مفلوج بھی کر سکتی ہے۔وہ جذبہ جو تخلیق کرتا ہے، بھسم بھی کر سکتا ہے۔وہ حرص جو آگے بڑھاتی ہے، نگل بھی سکتی ہے۔"

وہ قلب الدولہ کی طرف متوجہ ہوا، جس کی آنکھوں میں طوفان بھی تھا اور سکون بھی۔

"جہاں پناہ، یہی وہ قوتیں ہیں جو آپ کی سلطنت میں آباد ہیں۔ان میں سے کوئی بذاتِ خود نیک نہیں، کوئی بذاتِ خود بد نہیں۔یہ آقا نہیں، اوزار ہیں؛ بادشاہ نہیں، خدمت گزار ہیں۔یہ زہر بھی بن سکتے ہیں اور دوا بھی—اس ہاتھ پر منحصر ہے جو انہیں استعمال کرے، اس نیت پر جو انہیں رخ دے، اور اس حد پر جو انہیں قابو میں رکھے۔"

قلب الدولہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے سینے سے پھوٹتی وہ مدھم مگر ابدی روشنی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ پورا ایوانِ وجود اس کے نور سے بھر گیا۔ہر جذبہ—چاہے آگ جیسا ہو یا برف جیسا—اس اجالے میں نہا گیا۔

"میں نے تم سب کو سنا ہے،" بادشاہ نے فرمایا۔ "افراد کی طرح نہیں، ایک ہم آواز قافلے کی طرح۔اور یہی میرا فیصلہ ہے، یہی میرا سچ:

"تم میں سے کوئی بادشاہ نہیں۔بادشاہ میں ہوں۔دل تخت ہے۔عقل وزیر ہے۔زبان و اظہار نقیب ہیں۔اور تم—تم وہ قوتیں ہو جو میری سلطنت میں رواں ہیں۔نہ تم خیر ہو، نہ شر۔تم محض توانائی ہو—خالص، طاقتور، غیر جانبدار۔

"تمہاری نیکی یا بدی نیت اور حد سے جنم لیتی ہے۔وہ محبت جو قبضہ چاہے، ظلم بن جاتی ہے۔وہ غصہ جو حفاظت

چاہے، انصاف بن جاتا ہے۔ وہ خوف جو بقا چاہے، دانائی بن جاتا ہے۔ وہ خوشی جو فرار چاہے، فریب بن جاتی ہے۔ وہ حسد جو بہتری چاہے، امنگ بن جاتا ہے۔ وہ سکون جو بچنا چاہے، بزدلی بن جاتا ہے۔ وہ امید جو انکار چاہے، حماقت بن جاتی ہے۔ وہ مایوسی جو قبول کرے، بصیرت بن جاتی ہے۔

"اب جاؤ۔ میرے اندر اپنی اپنی جگہوں پر واپس لوٹ جاؤ۔ مگر یاد رکھو — تم مالک نہیں ہو، میں ہوں۔ تم موسم ہو، آب و ہوا نہیں۔ تم لہریں ہو، سمندر نہیں۔ تم مہمان ہو، میزبان نہیں۔

"اور میزبان — یعنی دل — یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کس مہمان کو خوش آمدید کہنا ہے، کسے قابو میں رکھنا ہے، اور کسے رخصت کر دینا ہے۔

"یہی میرا فیصلہ ہے۔ یہی میرا سچ ہے۔ یہی ایوانِ وجود کا قانون ہے۔"

خاموشی... اور پھر

محفل پر ایسی خاموشی اتر آئی جو ان سب کے لیے اجنبی تھی — ایک گہری، تہہ دار خاموشی۔ پھر ایک ایک کر کے جذبات نے سر جھکایا: پہلے عقیل خاقان، پھر بلیغہ رانی اور رخسار غماز، پھر غصیل شان، پھر حبہ خاتون، اور پھر باقی سب۔ یہاں تک کہ نفرین شہزادی کی برف جیسی نگاہیں بھی جھک گئیں۔ یہاں تک کہ مغرور الدولہ کی متکبر گردن بھی خم ہو گئی۔ یہاں تک کہ حریص الملک کے لالچی ہاتھ بھی قبولیت کے انداز میں بند ہو گئے۔

ایوان پھر ساکت ہو گیا۔ چراغ اپنی نرم، بیدار روشنی میں مدھم پڑ گئے۔ اور دل — شہنشاہ قلب الدولہ — اپنے تخت پر واپس لوٹ آیا؛ جذبات پر جابر حاکم کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے ریوڑ کے چرواہے کی طرح، اپنے باغ کے مالی کی طرح، اپنی سلطنت کے بادشاہ کی طرح۔

اور اس ایک لمحے کے لیے، پوری سلطنت میں امن اتر آیا۔